لکھنؤ

تعمیرِ حیات

پندرہ روزہ

کتب خانہ ندوۃ العلماء لکھنؤ

ملک میں اسلامی شناخت اور دینی تشخص کا تحفظ

ہمارے دینی مدارس انسان سازی کے کارخانوں کے طور پر قائم کیے جاتے ہیں جن میں دین کی حفاظت اور دین کو قائم کرنے کے کام کو انجام دینے کے لیے افراد تیار کیے جاتے ہیں، یہ افراد تیار نہ ہوں تو دین کو قائم رکھنے اور قائم کرنے والے افراد نہ تیار ہو سکیں گے، لہٰذا یہ امت مسلمہ کو امت مسلمہ برقرار رکھنے کے لیے لازمی اور ضروری ہیں چنانچہ جن ملکوں میں دینی مدارس ختم کردیے گئے، وہاں دین سے واقفیت اور دین پر عمل ختم ہوگیا، اس کی مثال ترکستان کے ممالک ہیں جہاں کمیونسٹ نظام آنے پر مدارس ختم کردیے گئے تھے، میں نے خود جا کر دیکھا کہ دین سے واقفیت سے وہاں کے مسلمان محروم ہوگئے، اس لیے ملک میں اسلام کی بقاء کے لیے ہمارے ان مدارس کا جاری رہنا ضروری ہے۔

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

سالانہ زرتعاون -/250

۱۰/مارچ ۲۰۱۳ء

فی شمارہ ₹12/=

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پندرہ روزہ

تعمیرِ حیات

لکھنؤ

جلد نمبر ۵۰ | ۱۰ مارچ ۲۰۱۳ء مطابق ۲۷ ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ | شمارہ نمبر ۹

اس شمارے میں

شعر و ادب
مرا ہر ہر قدم یا رب سراپا شوق بن جائے — محمد ولی اللہ تسنیم

اداریہ
وقت کا سب سے اہم مسئلہ — شمس الحق ندوی — ۳

یادوں کے چراغ
عزیزی مولوی عبداللہ حسنی ندوی — حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی — ۵

گوہر شب چراغ
عزیزی عبداللہ حسنی ندوی مرحوم — مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی — ۸

سوز دل
ہماری سوسائٹی کی بیماریاں اور..... — مولانا ڈاکٹر سعید الرحمن اعظمی ندوی — ۱۰

لائحۂ عمل
قرآن حکیم۔ ایک نسخۂ کیمیا — مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی — ۱۲

دل درد مند
تین قوتوں کی ضرورت — مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ — ۱۳

اسوۂ صحابہ
نرم دم گفتگو گرم دم جستجو — مولانا محمد خالد ندوی غازی پوری — ۱۸

فقہ و فتاویٰ
سوال و جواب — مفتی محمد ظفر عالم ندوی — ۲۰

ایک جائزہ
تہذیب جدید اور اس کے اثرات — محمد وثیق ندوی — ۲۱

خبر و نظر
عالم اسلام — جاوید اختر ندوی — ۲۶

جہان مسلم
نئی اسلامی ریاست کا قیام — محمد ایوب منیر — ۲۸

سبق آموز
۵ سالہ بچہ قبول اسلام کا باعث بنا — طارق انیس — ۳۰

زیر سرپرستی
حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
(ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

مولانا مفتی محمد ظہور ندوی
(نائب ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

زیر نگرانی
مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی
(ناظر عام ندوۃ العلماء لکھنؤ)

مدیر مسئول
شمس الحق ندوی

نائب مدیر
محمود حسن حسنی ندوی

مجلس مشاورت
● مولانا خالد ندوی غازی پوری
● نعیم الرحمن صدیقی ندوی

ترسیل زر اور خط و کتابت کا پتہ

Tameer-e-Hayat
Tagore Marg, Badshah Bagh, Lucknow-226007
E-mail: nadwa@sancharnet.in, Ph: (0522) 2740406

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

سالانہ زر تعاون -/250	فی شمارہ -/12	ایشیائی، یورپی، افریقی و امریکی ممالک کے لئے -/50$ ڈالر

ڈرافٹ منیجر تعمیر حیات کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات ندوۃ العلماء لکھنؤ کے پتہ پر روانہ کریں۔ چیک سے بھیجی جانے والی رقم صرف All CBS Payable Multicity Cheques روانہ فرمائیں، بصورت دیگر -/30 روپے زائد چیک دیں۔ براہ کرم اس کا خیال رکھیں۔

آپ کے خریداری نمبر کے نیچے اگر کالی لکیر ہے تو سمجھئے کہ آپ کا زر تعاون ختم ہو چکا ہے۔ لہٰذا جلدی زر تعاون ارسال کریں اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں۔ اگر موبائل یا فون نمبر ہو تو اپنے شہر کے کوڈ نمبر کے ساتھ لکھئے۔ (منیجر تعمیر حیات)

پرنٹر پبلشر اطہر حسین نے آزاد پرنٹنگ پریس، نظیر آباد، لکھنؤ سے طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت و نشریات ٹیگور مارگ، بادشاہ باغ لکھنؤ سے شائع کیا۔

شعروادب

مرا ہر ہر قدم یارب سراپا شوق بن جائے

مخدومہ امۃ اللہ تسنیمؒ

بنا کر اپنا مرکز دل کو تو ایسا سما جائے
کہ تجھ کو پا کر یہ بے چین دل تسکین پا جائے

بسا ہو تو نہ جس کے دل میں دل بے کار ہے بالکل
نہ ہو گر باغ میں گل تو وہ گلشن خار ہے بالکل

بہت بے لطف اور بے کیف گزری زندگی اتنی
کٹے اب تیری طاعت میں ہے باقی زندگی جتنی

اطاعت ہو شعار اپنا عبادت ذوق بن جائے
مرا ہر ہر قدم یارب سراپا شوق بن جائے

جیوں تیری طلب میں اور مروں تیری محبت میں
یہ پوری زندگی گزرے الٰہی تیری مدحت میں

مجھے اتنی محبت دے بنوں تصویر الفت کی
سراپا شوق بن کر توڑ دوں زنجیر فرقت کی

یہ روح کنج قفس میں پھڑ پھڑائے اور مچل جائے
تجھی کو یاد کرتے کرتے میرا دم نکل جائے

میرے رب مہرباں ہو جا تجھے صدقہ کریمی کا
یہ کلفت پیش خیمہ ہو تری ذرہ نوازی کا

ہوئے ہوں عمر میں جتنے گناہ سب معاف کر دے تو
الٰہی ہر برائی سے مرا دل صاف کر دے تو

گناہ آلودہ دل کو پاک کر دے آب رحمت سے
مجھے خلعت ملے بخشش کا تیری باب رحمت سے

تری شفقت تو مادر اور پدر سے ہے کہیں زائد
نہ ہو میری پکڑ بالکل نہ ہو کوئی سزا عائد

بچا کر مکر شیطاں سے مجھے اپنا ہی راغب کر
ہٹا کر دار فانی سے مرا دل اپنی جانب کر

رہے تسنیمؔ ہر لحظہ ترے ہی ذکر میں شاغل
تری بندہ نوازی سے یہ درجہ اس کو ہو حاصل

☆☆☆☆

اداریہ

وقت کا سب سے اہم مسئلہ

شمس الحق ندوی

اس وقت ہمارے ملک میں نفرت کی ایک آگ لگی ہوئی ہے، لیکن کوئی اس کو بجھانے کے لیے نہیں دوڑتا، دوڑنا تو الگ رہا، بجھانے کی آواز بھی نہیں لگاتا، اپنے ذاتی مفاد کے لیے تکلیف جھیلنے والے اور اپنے اوپر نیند حرام کرنے والے موجود ہیں، لیکن کوئی ایسا نہیں جو ملک کی موجودہ صورت حال پر دکھ محسوس کرے، اس کے بدلنے کے لیے دو قدم چلے، دو چار لوگوں سے ملے اور کہے کہ بھائیو! آگ کے یہ شعلے اگر بجھائے نہ گئے اور ان آگ لگانے والوں کا ہاتھ پکڑا نہ گیا تو اس آگ کے شعلے ہمارے تمہارے گھروں کو بھی جلا دیں گے، یہ بھڑکتے ہوئے شعلے اور سلگتا ہوا دھواں اور ان کے بیچ آہوں اور کراہوں کی دردناک آوازیں پورے ملک کو تباہ کر دیں گی۔

گاندھی جی اس حقیقت کو خوب سمجھتے تھے کہ یہ فرقہ وارانہ منافرت، تشدد اور جارحیت، پہلے ملک کے دو اہم عنصروں (ہندو مسلم فرقوں) کے درمیان اپنا کام کرے گی، پھر یہی ذیلی مذہبی اختلافات، طبقات اور برادریوں کی صف آرائی اور نسلی، لسانی، صوبائی، علاقائی تعصبات کی شکل میں ظاہر ہوگی، اور جب یہ کام بھی ختم ہو جائے گا، تو وہ آگ کی طرح جب اس کو ایندھن نہ ملے تو اپنے کو کھانے لگتی ہے، یہ ملک کو اور امن پسند شہریوں کو اپنا لقمہ بنا لے گی اور یہ ملک تباہ ہو کر رہ جائے گا۔

اس وقت کا سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ ملک کے پڑھے لکھے اور سمجھدار لوگ بلا امتیاز مذہب وملت اس آگ کو بجھانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوں جو کسی وقت پورے ملک کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی، آگ آگ ہے، پھر وہ امیر وغریب، چھوٹے بڑے، شریف ورذیل میں فرق نہیں کرتی، سب کو جلا کر خاک کر دیتی ہے، ایسا نہیں ہے کہ پورے کا پورا ملک دیوانہ اور پاگل ہو گیا ہے، ملک میں اکثریت انسانیت دوست اور مل جل کر محبت کے ساتھ رہنے والے لوگوں کی ہے، اور یہ برسہا برس سے ایک ساتھ مل جل کر رہتے چلے آئے ہیں، ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک رہتے آئے ہیں اور اب بھی شریک رہتے ہیں، اگر ان کو انسانیت کا سبق پڑھایا جائے اور انھیں بتایا جائے کہ کچھ مفاد پرست لوگ جو آگ وخون سے کھیلنے کا طوفان اٹھا رہے ہیں، وہ نہ ہندو ہیں نہ مسلمان، وہ اپنے مفاد کے غلام ہیں، اپنے مفاد کے لیے وہ پورے ملک کو، ملک کی پوری آبادی کو خطرہ میں ڈال رہے ہیں اور لوگوں پر نیند حرام کیے دے رہے ہیں، لہٰذا ضرورت ہے کہ پڑھے لکھے لوگ جن کو انسانیت سے پیار ہے، وہ انسانیت سے پیار رکھنے والے ان بھائیوں تک اپنی آواز پہنچائیں جو مفاد پرستوں کے اشتعال انگیز نعروں کا شکار ہو جاتے ہیں، اور ان نعروں میں اپنی انسانیت دوستی، شرافت ومحبت اور بھائی چارہ کے سبق کو بھول جاتے ہیں، یہ کتنی خطرناک بات ہے کہ ملک کو تباہ کرنے والی آوازیں تو گونجتی رہیں لیکن ملک کو بچانے اور لوگوں کو درس محبت دینے کا جذبہ رکھنے والے لوگ خاموش بیٹھے رہیں۔

انسان بہرحال انسان ہے، وہ جانور نہیں ہے، اس میں جذبات محبت فطری طور پر ودیعت کیے گئے ہیں، وہ انسان ہیں خواہ وہ کسی بھی قوم ومذہب سے تعلق رکھتے ہوں، انسانوں سے محبت ان کے خمیر میں داخل ہے، اس محبت کو جگایا جائے تو جاگ جائے گی، مگر کوئی جگانے کے لیے کھڑا تو ہو، سننے اور ماننے والے ابھی موجود ہیں، ابھی ان کی فطرت مسخ نہیں ہوئی ہے، ہاں اس کو مسخ کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے اور اس کے اثرات ظاہر ہو رہے ہیں،

لہٰذا قبل اس کے کہ پانی سر سے اونچا ہو اور پورے ملک کا مزاج بدل جائے، کچھ مردان کار کو میدان میں آنا چاہیے اور "پیام انسانیت" کو عام کرنے کا بیڑا اٹھانا چاہیے، ابھی ہمارے ملک کی محفل دردآشناؤں سے خالی نہیں ہوئی ہے، قبل اس کے کچھ پاگل و دیوانے ملک کی محفل کو دردآشناؤں سے خالی کردیں، اس درد کو باقی رکھنے بلکہ اس کو عام کرنے کا کام شروع کردینا چاہیے کہ مبادا یہ انسانوں کی بستی خونخوار درندوں کی بستی میں تبدیل ہوجائے۔

ان خطرات ہی کو سامنے رکھ کر مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے انسانیت کا پیام سنانے اور اس کو عام کرنے کا کام شروع کیا تھا، ان کے بعد ان کے ساتھ کام کرنے والوں نے اس پیام کو جاری رکھا، جس پر مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی دوسری ذمہ داریوں کے ساتھ پوری توجہ دی تھی، اس کام کو عام کرنے کی فکر نہ کی گئی اور برادران وطن میں سے ان حضرات کو ساتھ لے کر جن میں انسانیت کی فکر اور اس کا درد پایا جاتا ہے، کام کو آگے نہ بڑھایا گیا تو حالات خراب ہی ہوتے جائیں گے، اور ہمارا ملک جو اس معاملہ میں مغربی دنیا سے بہت ممتاز ہے، اس کا یہ امتیاز اور خصوصیت نہ صرف یہ کہ ختم ہوجائے گی بلکہ شرم وحیا اور انسانی قدروں کو کھودے گا اور یہاں کے پیار ومحبت کا خاتمہ ہوجائے گا اور اہل وطن ان خطرناک حالات سے دوچار ہوں گے جن کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔

☆☆☆☆☆☆

"مدارس میں قرآن کی تدریس وتفہیم"

دارالعلوم ندوۃ العلماء میں دوروزہ تربیتی سیمینار

قرآن مجید مسلمانوں کا سب سے گراں قدر دینی اور تہذیبی سرمایہ ہے، بلکہ یہ درحقیقت ساری انسانیت کا عظیم ترین اخلاقی اور تہذیبی ورثہ ہے، اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود رب العالمین نے لے رکھی ہے، اور اس کے ذرائع پیدا کردیے ہیں۔

قرآن مجید کے معانی ومفاہیم کو سمجھ کر اس کے بحر زخار سے آبدار موتیوں کو نکالنا اور پوری عالم انسانیت کو ان سے فیضیاب کرنا نائبین نبوت کی اولین ذمہ داری ہے، تمام دینی اور شرعی علوم وفنون میں اس کا مقام ومرتبہ سرفہرست ہے، دیگر سارے علوم اسی کی تشریح وتفسیر ہیں۔

ہمارے دینی اور اسلامی مدارس جہاں سے علماء وفضلاء تیار کر کے انسانیت کی کشت ویراں کو سیراب کرنے کے لیے بھیجے جاتے ہیں، ان کو کتاب الٰہی کے اسرار ورموز، اصول وکلیات، اسلوب ومنہج سے واقف کرانا ہمارا سب سے اہم ترین فریضہ ہے۔

اسی مقصد کے پیش نظر تفسیر وعلوم قرآن سے مربوط حضرات کے لیے "کلية الشريعة وأصول الدين" دارالعلوم ندوۃ العلماء کی طرف سے **"مدارس میں قرآن کی تدریس وتفہیم"** کے موضوع پر ۱۳، ۱۴؍ اپریل ۲۰۱۳ء کو ایک تربیتی سیمنار منعقد ہوگا، جس میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ملحقہ مدارس کے اساتذہ کے ساتھ دارالعلوم کے علیا درجات کے طلباء بھی شریک ہوں گے، اس سیمینار میں مذکورہ عنوان سے متعلق مختلف جہتوں پر محاضرات اور مقالات پیش کیے جائیں گے۔

موضوعات: ۱-سلف صالحین اور فہم قرآن-اسلوب اور منہج ۲-تفسیر وتفہیم قرآن کے اصول وکلیات ۳-قرآن کا تشریعی اعجاز اور وضعی قوانین ۴-قرآن کی تفہیم وتدریس میں شعر جاہلی کی اہمیت ۵-متن قرآن کی تفہیم وتدریس کا معیاری ومطلوبہ منہج ۶-اعجاز قرآنی-تعارف اور عصر حاضر میں اس کی نوعیت ومعنویت ۷-تفسیر اور اصول تفسیر کی اہم کتابیں-تعارف، ضرورت واہمیت ۸-معاجم مفردات الفاظ القرآن-تعارف، طریق استفادہ ۹-مدارس دینیہ میں رائج تفسیری نصاب-مسائل ومشکلات ۱۰-دارالعلوم ندوۃ العلماء کا تفسیری منہج اور نصاب ۱۱-شاہ ولی اللہ دہلوی کا اسلوب فہم قرآن اور اس کی ضرورت واہمیت۔

☆☆☆☆☆

یادوں کے چراغ

عزیزی مولوی عبداللہ حسنی ندوی

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

عزیز القدر مولوی سید عبداللہ حسنی ندوی مرحوم حسنی خاندان کی اس شاخ سے تھے جو کئی پشتوں سے علم ودین کی خدمت کا امتیاز رکھتی رہی ہے، ان کے والد مولانا سید محمد الحسنی عربی اور اردو دونوں زبانوں کے ذریعہ صحیح اسلامی فکر کی صرف ترجمانی ہی نہیں کرتے تھے؛ بلکہ اس کی اشاعت اور اسلام مخالف فکر کا مقابلہ بھی موثر اسلوب میں کرتے تھے، وہ عربی ماہنامہ "البعث الاسلامی" اور ایک اردو پندرہ روزہ پرچہ "تعمیر حیات" کے بانی بھی تھے، انہوں نے عمر کم پائی؛ صرف ۴۴؍ سال میں انتقال ہوا، لیکن اس کم عمری میں بڑا کارنامہ انجام دیا، انہوں نے اپنے چچا حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی مفکرانہ اور داعیانہ جدوجہد کے طرز کو اختیار کیا تھا اور ان کے صحیح جانشین بننے کے لائق ہوگئے تھے، لیکن مقدر میں ان سے پہلے جانا تھا؛ لیکن اپنی اس محدود عمر اور دائرۂ عمل میں جو کرسکتے تھے وہ انہوں نے کیا، ان کے صاحبزادہ مولوی سید عبداللہ حسنی نے انہی کے راستے کو اختیار کیا، اپنے والد کے انتقال کے بعد اپنے والد کے چچا حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ سے خصوصی استفادہ کیا، اور ان کی صحبت سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور تزکیہ اور خدمت دعوت دونوں میں ان کے طریقہ کو اختیار کیا۔

حضرت مولاناؒ نے "پیام انسانیت" کے عنوان سے غیر مسلموں میں اسلام کے تعارف کا جو حکیمانہ طریقہ اختیار کیا تھا، اس کو انہوں نے ان کی وفات کے بعد آگے بڑھایا اور اس سلسلہ میں صرف بڑی خدمت ہی انجام نہیں دی، بلکہ تھوڑی مدت میں اچھے رفقاء کار تیار کردیے جنہوں نے ملک کے مختلف حصوں میں کام کو پھیلانے میں ان کا ساتھ دیا اور اس کام کا انداز انہوں نے ایسا اختیار کیا کہ مذہبی دل آزاری سے بچتے ہوئے انسانی سطح پر اسلام کی محبوبیت پیدا ہو، اس کی وجہ سے ان کی کوششوں کا بہت فائدہ ہوا اور اس کو فروغ ملا اور یہ انداز کار وہی تھا جو ان کو اپنے اسلاف سے ملا تھا، ان کے دادا مولانا حکیم ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنیؒ اور ان کے بھائی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ دونوں دعوت کے اسی اصول کے قائل تھے، اور دونوں اس کام کو صرف علاقائی نہیں؛ بلکہ بین الملکی اور بین الاقوامی سطح پر کیا جانا پسند کرتے تھے، ڈاکٹر صاحب مریضوں کے ازالہ کے لیے مرض کی کوششوں میں زیادہ وقت دیتے تھے، لیکن بھائی کو مذکورہ کام کی طرف متوجہ کرتے۔

چنانچہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے جو کام انجام دیے ان میں ان کے بڑے بھائی حکیم ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنیؒ کے مشوروں اور رہنمائیوں کا بھی دخل تھا، ان دونوں کے والد مولانا حکیم سید عبدالحی حسنیؒ ندوۃ العلماء کے ناظم رہے تھے اور اس کے ساتھ گوناگوں دینی وعلمی خصوصیات کے حامل تھے، تاریخ، ثقافت اور ادب کے ماہر تھے، ان سے اوپر ان کے والد مولانا سید فخر الدین خیالی جو مولوی سید عبداللہ حسنی کے دادا کے دادا تھے وہ بھی بڑے عالم دین تھے اور مرشد وربانی شخصیت کے مالک تھے اور ان کے والد مولانا سید عبدالعلی حسنیؒ امیر المومنین حضرت سید احمد شہیدؒ کے مرید وخلیفہ تھے، خاندان کے مشہور بزرگ اور تکیہ کلاں کے مورث خاندان حضرت شاہ علم اللہ حسنیؒ (جد امجد حضرت سید احمد شہیدؒ) سے ان کی خاندانی شاخ کا تعلق اس طرح بہت گہرا تھا کہ یہ لوگ حضرت شاہ علم اللہ حسنیؒ (م ۱۰۹۶ھ) کی صاحبزادی کی بھی اولاد میں ہیں جو سید عبدالرحیم شہید بن مولانا سید ہدایت اللہ حسنیؒ (برادر عم زادہ حضرت شاہ علم اللہ حسنیؒ) کی زوجیت میں تھیں اور ان کی ننھیالی شاخ میں بھی علم وعمل کی جامع شخصیات پیدا ہوئیں جن میں مولانا سید محمد معین کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے جو مولانا محمد ظاہر حسنی کے خلیفہ اور برگزیدہ شخصیات میں سے تھے، مولانا محمد ظاہر حسنی حضرت شاہ علم اللہ حسنیؒ کی نسل میں بڑی ربانی شخصیت گذرے ہیں، انہیں حضرت سید احمد شہیدؒ سے نسبت حاصل تھی اور ان سے ان کے نواسے مولانا سید فخر الدین خیالیؒ نے تعلیم وتربیت پائی اور اجازت حاصل کی، اس طرح خاندان کی صفات و خصوصیات اور علمی ودینی امتیازات عزیز مرحوم کو مختلف جہتوں سے حاصل ہوئے اور ان بڑوں سے ان کے چھوٹوں میں مولوی عبداللہ حسنی کو خاصی حد تک ان کے اثرات کا حصہ ملا۔

مولوی سید عبداللہ حسنی ندوی میرے قریبی بھتیجے اور مزید تعلق کے حامل تھے، ان کی ابتدائی عمر کے ۲۰-۲۲ سال اپنے والد ماجد مولانا سید محمد الحسنیؒ کی سرپرستی میں گذرے، شروع کے چار سال میں اپنے دادا کی بھی شفقت ومحبت

حاصل ہوئی، ان کی پیدائش ۲۹ رجنوری ۱۹۵۷ء کو ہوئی اور ان کے داداڈاکٹر صاحب مرحوم کی وفات ۱۹۶۱ء کو پیش آئی، ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنیؒ کے انتقال کے بعد ان کی سرپرستی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی رہی اوران کی تربیت ورہنمائی میں انہوں نے علمی ودینی ترقی کی، انہی کے کہنے سے ابتدائی عمر میں وہ سہارن پور جاکر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ سے بیعت ہوگئے تھے، لیکن اصلاح وتربیت حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی رہی اور آخر میں اپنی وفات سے کچھ پہلے اجازت وخلافت سے بھی سرفراز کیا اور اس خصوصیت سے بھی انہوں نے لوگوں کو فائدہ پہنچایا، خاص طور پر یہ بات رمضان میں زیادہ محسوس کی جاتی تھی، خاص طور سے حدیث کے درس کے موقع پر جس میں وہ اپنے دادا مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنیؒ کے والد مولانا سید عبدالحی حسنیؒ کی کتاب "**تہذیب الأخلاق**" کو پیش نظر رکھتے تھے، ایسے سبق آموز واقعات اور دل پر اثر کرنے والی مثالوں کے ذریعہ سمجھاتے جس سے لوگوں میں عمل کا جذبہ پیدا ہوتا، خاص طور پر عقیدۂ توحید پر جمنے کا حوصلہ اور اللہ اوراس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اضافہ ہوتا۔

عزیزی مولوی سید عبداللہ حسنی مرحوم اپنی نوعمری میں جن مراحل سے گذرے تھے، ان کے اثر سے ان میں عمل کی قوت اور احساس ذمہ داری آئی تھی، خاص طور پر جب ان کے والد ماجد محمد الحسنی کا سانحہ وفات پیش آیا، اس وقت ان کی عمر ۲۲ سال تھی اور ان کے دونوں چھوٹے بھائی ان سے بھی چھوٹے اور ابتدائی تعلیم میں تھے، ان کے لیے فکرمندی اور صحیح راہ پر قائم رکھنے کی ذمہ داری بھی ان پر آپڑی تھی، اس ذمہ داری کو انہوں بہت اچھے طریقہ سے نبھایا، یہ ایک اہم خدمت تھی کہ انہوں نے صرف اپنے ہی کو بنانے کی کوشش نہیں کی؛ بلکہ اپنے چھوٹے بھائیوں کو بھی صاحب علم اور اسلامی فکرودعوت کا حامل بنانے کی طرف توجہ رکھی جوکہ ماشاءاللہ مولوی حافظ سید عمار عبدالعلی حسنی ندوی اور مولوی سید بلال عبدالحی حسنی ندوی میں لوگ دیکھتے اور محسوس کرتے ہیں، وہ دونوں دین کے صحیح راستے پر گامزن ہیں اور مولوی سید بلال عبدالحی حسنی ندوی جو تیسرے نمبر پر ہیں وہ دعوت اور تعلیم وتربیت کا بہت قابل قدر کام انجام دے رہے ہیں اور اب مولوی عبداللہ حسنی مرحوم کے وہ قائم مقام ہیں، اور وہ اس کے اہل ہیں۔

مولوی عبداللہ حسنی ندوی مرحوم کا امتیاز ان کی صرف دعوتی کوشش ہی کا نہیں ہے؛ بلکہ علمی وادبی لحاظ سے بھی وہ بڑا امتیاز رکھتے تھے، عربی تحریر اور مضمون نگاری میں ان کے دادا کے بھائی اوران کے سرپرست حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کو بین الاقوامی سطح پر جو امتیاز حاصل تھا، اور ان کے بھتیجے سید محمد الحسنیؒ نے اس کو اپنا لیا تھا اور بہت مؤثر مضمون اور تحریریں عربی واردو میں لکھنے لگے تھے، اس کا اثر بھی مولوی عبداللہ حسنی کے قلم میں آیا تھا، جو عربی پندرہ روزہ اخبار "الرائد" کے ان کے اداریوں میں محسوس کیا جاتا تھا، اس کے علاوہ دارالعلوم میں ان کو استاذ کا منصب حاصل ہوا، اور اس میں ۳۵ سالہ خدمات انجام دیں، حدیث کی متعدد کتابیں زیادہ تر ان کے زیر تدریس رہیں، اور اس میں سنن ترمذی اور صحیح بخاری کے بعض ابواب کی تدریس کا انہیں زیادہ موقع ملا، عالمیت کے آخری سال میں تفسیر قرآن کریم کا درس بھی ان کے ذمہ ہوگیا تھا، اور ادھر دوتین سال سے حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی اسرار شریعت پر معرکہ آرا تصنیف "حجۃ اللّٰہ البالغہ" کا درس دینے کا بھی موقع ملا، اور طلبہ کو ان سے بڑا نفع پہونچ رہا تھا، خود انہوں نے بھی بڑا نفع محسوس کیا، علوم شریعت سے اشتغال کا اثر اخلاق واعمال میں، احکام شریعت پر عمل ان میں سنت نبوی کی پیروی، اور صلاح وتقوی کے طور پر آیا۔

اس کے علاوہ عوام کی اصلاح وتربیت اور ہدایت خلق کے لیے انہوں نے اپنے اوقات فارغ کیے تھے جس میں وہ تقریر وخطابت کے لیے پروگراموں میں جاتے، اور مجلس کے ذریعہ بھی دعوت کا کام کرتے، اس کے علاوہ ملاقاتوں کے ذریعہ بھی رابطہ قائم کرکے دین کی طرف دعوت دینے کی کوشش کرتے، اوراس کے لیے انہوں نے ملک کے مختلف حصوں کے دورے بھی کیے اوران دوروں کے ذریعہ اسلام کے تعارف اور پیام انسانیت کے کام کو فروغ دیا اور اس میں وہ اتنا منہمک ہوجاتے تھے کہ صحت وغیرہ کا بھی خیال زیادہ نہ رکھ سکتے۔

ادھر چند مہینوں سے ان کو جو بیماری لاحق ہوئی تھی، شروع میں اس کی طرف بھی توجہ نہیں ہو پائی اور دین ودعوت کے کام ہی کی طرف زیادہ توجہ رہی، بیماری بڑھتی گئی، آخر کار وہ صاحب فراش ہوگئے، علاج ومعالجہ کی جو کوشش ہونی چاہیے، اس میں کوئی کمی نہیں کی گئی، لیکن موت وحیات کا جو

وقت اللہ کے یہاں مقدر ہے، اس سے آگے پیچھے نہیں ہوسکتا، چاہے بیماری ہو یا نہ ہو، چنانچہ وہ ۵٦ سال کی عمر میں ۱۷/ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ مطابق ۳۰ رجنوری ۲۰۱۳ء کو لکھنؤ میں "سحر زسنگ ہوم" میں وفات پاگئے۔

وہ آخر وقت تک تکلیف کی شدت کے باوجود نماز باجماعت کا بڑا اہتمام کرتے رہے اور آخری نماز بھی جماعت سے ادا کی، اور ذکر اللہ کی طرف مسلسل راغب رہے، انہوں نے انتقال سے ایک مہینہ قبل یہ خوشی بھی دیکھی کہ ان کے فرزند نور چشم محمد میاں سلمہ نے حفظ قرآن کریم کی تکمیل کی اور اس مناسبت سے ایک مختصر سی تقریب بھی انہوں نے کرکے خوشی کا اظہار کیا اوراس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

عزیز مرحوم کے انتقال پر جس کی خبر اسی وقت دور دور پہونچ گئی تھی، اہل تعلق کے مسلسل فون آنے شروع ہوگئے تھے، جنازہ میں شرکاء کی تعداد لکھنؤ و رائے بریلی دونوں جگہ اتنی دیکھی گئی جو کم موقعوں پر دیکھنے میں آتی ہے، اور بعد میں تعزیت میں آنے والوں کے تعلق ومحبت اور تعزیتی پیغامات اور خطوط جو بڑے جذبات وعقیدت سے لکھے گئے ہیں ان سے ان کی محبوبیت ومقبولیت کا پتہ چلتا ہے اور اہل تعلق میں سے جو حرم اور جوار حرم میں تھے انہوں نے ان کی طرف سے طواف وعمرہ اور دوسرے ایصال ثواب کے ذرائع اختیار کرنے سے اپنے تعلق وعقیدت کا اظہار کیا۔

عزیز مرحوم نے ۵٦ سال کی عمر پائی اور اس میں ان کو اپنے پردادا مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی سابق ناظم ندوۃ العلماء سے مناسبت رہی کہ انہوں نے بھی تقریباً اسی عمر میں دنیا سے رحلت کی تھی، وہ اپنے محبین اور قدردانوں کو رنجیدہ چھوڑ گئے، مولوی عبداللہ حسنی نے تزکیہ ودعوت کو مشن کے طور پر اختیار کیا، اس لیے ان کی وفات کا اثر ملک اور بیرون ملک میں محسوس کیا گیا اور ملک وبیرون کے دعوتی ذہن رکھنے والوں نے خاص طور پر اپنے رنج وغم کا اظہار کیا، اس طرح وہ داعیانہ عمل کی سوغات لے کر اپنے رب کے حضور حاظر ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون.

عزیزی مولوی عبداللہ حسنی ندوی کے ایک ہی صاحب زادہ ہیں، جو ابھی اپنی ابتدائی عمر میں ہیں، امید ہے کہ ان کو اپنے والد مرحوم کی نیکیوں کی برکت کا حصہ ملے گا اور ان کے دونوں چچا اور ان کے نانا کی محبتوں سے ترقی اور خیر حاصل ہوگی جو اللہ تعالی کے فضل ورحمت کا حصہ ہوگا۔

☆☆☆☆☆

رفعنا لک ذکرک

ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ

آج کل جو کتابیں لکھی جاہی ہیں وہ اس طرح کے موضوعات پر لکھی جارہی ہیں: سیرت کے ماخذ کے بارے میں شکوک، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر جزوی اعتبار سے شبہات، احادیث کے مستند یا غیر مستند ہونے کے بارے میں شکوک وہ پھیلاتے ہیں، بحیثیت مجموعی اب احادیث کو چیلنج نہیں کرتے، مستشرقین قرآن پاک کو بھی چیلنج نہیں کرتے، بحیثیت مجموعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کو بھی چیلنج نہیں کرتے؛ لیکن ایک بات بڑی بنیادی اور سب سے اہم ہے وہ یہ کہ آج تک کسی بڑے سے بڑے اسلام دشمن نے یوحنا دمشقی سے لے کر آج کے زمانے کے مصنفین تک کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کو غیر تاریخی قرار نہیں دیا، سب نے یہ مانا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نام کی ایک تاریخی شخصیت حقیقت واقع میں موجود تھی۔ ورنہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کتابیں چھپیں کہ عیسیٰ کے نام کی کوئی شخصیت موجود نہ تھی، برٹرینڈ رسل (Bertrand Russell) نے لکھا ہے کہ میں نہیں مانتا کہ عیسیٰ نام کا کوئی آدمی تھا، یہ سب فرضی شخصیتیں ہیں، یہ برٹرینڈ رسل کا مضمون ہے، میں نے پڑھا ہے، وہ اپنے عہد کا بہت بڑا فلسفی تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کتابیں آئی ہیں کہ اس نام کی کوئی شخصیت نہیں تھی، محض فرضی شخصیت ہے جیسا کہ ہندوؤں میں رام چندر جی اور کرشنا وغیرہ کی شخصیتیں ہیں، پتہ نہیں تھے کہ نہیں تھے، اسی طرح کی شخصیتیں یہ بھی ہیں؛ لیکن آج تک کسی بڑے سے بڑے مخالف کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی فرضی یا تصوراتی شخصیت قرار دینے کی جرأت نہیں ہوئی، گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تاریخ انبیاء میں وہ پہلے اور آخری نبی ہیں جن کی شخصیت مکمل طور پر پوری تاریخ کی روشنی میں ہے، اس کا کوئی گوشہ تاریخ کی روشنی سے باہر نہیں ہے اور مسلمانوں کے نزدیک تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلا ہوا ہر لفظ، ان کی ہر تعلیم اور ہر چیز اس طرح محفوظ ہے کہ اس طرح کوئی چیز دنیا میں محفوظ نہیں ہے، یہ جو مستشرقین کی جزوی چیزیں ہیں، یہ بھی اسی طرح ختم ہوجائیں گی جس طرح باقی کاوشیں ایک ایک کرکے ختم ہوگئیں، وہ کتابیں آج بھی کتب خانوں میں ہی ملتی ہیں، نہ ان کو ان کی قوم پڑھتی ہے جہاں وہ چھپی ہیں، نہ ان کے لکھنے والے آج زندہ رہے، نہ وہ خیالات آج دنیا میں عام ہیں، بہت سی کتابیں ایسی ہیں کہ آج کتب خانوں میں بھی موجود نہیں، ان کے صرف نام ملتے ہیں، نہ امریکہ، برطانیہ میں چھپیں اور نہ یوروپ میں چھپیں، دنیائے اسلام میں تو چھپنے کا سوال ہی نہیں؛ لیکن جو کتابیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید میں لکھی گئیں، ان کے چھپنے کا اندازہ کوئی نہیں کرسکتا، ان کی طباعت کا کوئی اندازہ نہیں کرسکتا۔

☆☆☆

فکر و عمل

عزیزی مولوی عبد اللہ حسنی ندوی

مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی

عزیزی عبد اللہ حسنی ندوی جنہیں اب مرحوم لکھنا پڑ رہا ہے، ہمارے محبوب رفیق اور ماموں زاد بھائی مولانا محمد الحسنیؒ کے صاحبزادہ تھے، اور ہمارے مربی اور مشفق ماموں ڈاکٹر سید عبد العلی حسنیؒ کے محبوب پوتے، اس لیے وہ اولاد ہی کی طرح تھے، اور صلاح و تقویٰ اور دینی جذبات کی وجہ سے قابل قدر، محبت اور ہمدردی کے لائق تھے، انہوں نے علمی و تدریسی صلاحیت اور مقبولیت کے ساتھ دعوت، اصلاح معاشرہ، احقاق حق اور انسانی خدمت کا میدان اختیار کیا اور اپنے دادا اور ان کے بھائی حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندویؒ کی فکر اور طرز عمل کو جمع کرنے کی کوشش کی، اس طرح انہوں نے تین مختلف میدانوں میں کام کیا، جن میں ہر میدان اہمیت کا حامل ہے اور کسی شخصیت کے لیے قابل امتیاز اور تقرب عند اللہ، تعلق مع اللہ اور مقبولیت کا ذریعہ ہے۔

پہلا میدان جو انہوں نے اپنے دادا کی خواہش اور پسند کا اختیار کیا، وہ غیر مسلموں میں اسلام کا تعارف ہے، جس میں مسلمانوں سے پوری تاریخ میں کوتاہی ہوئی ہے، خاص طور پر پسماندہ طبقات جو علم سے محروم ہیں، اور ان کو اختلاط کا موقع بھی نہیں ملتا کہ وہ دوسروں کے اخلاق و کردار کو دیکھ کر یا مطالعہ سے اسلام کی تعلیمات سے واقف ہوں، اہل علم اور اعلیٰ طبقہ جو لٹریچر پڑھتا ہے، وہ لٹریچر اسلام کے بارے میں اچھا تاثر دینے کے بجائے نفرت اور مذمت کا تاثر دیتا ہے، اس میں مسلم حکمرانوں کو موضوع بنا کر پوری مسلم قوم یا اسلام کو بدنام کیا جاتا ہے، یہ لٹریچر سامراجی عہد میں تیار کیا گیا اور اسی کو سورس (Source) سمجھ کر دوسری زبانوں میں اس کے تاثرات منتقل ہوئے۔

اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اس وقت جو ماحول ہے وہ نتیجہ ہے عدم اختلاط اور غلط علم کا، اس لیے جہاں بھی صحیح علم پہنچا، یا اسلامی ذہن کے لوگوں سے سابقہ پڑا وہاں ذہنیت میں تبدیلی آئی، کثرت سے اسلام لانے والے اکثر صحیح لٹریچر پڑھنے والے یا صحیح مسلمانوں سے رابطہ رکھنے والے ہیں، اکثر ٹرینوں اور جلسوں میں مختلف ملاقاتوں اور تبادلہ خیال سے ذہنوں کی صفائی کی مثالیں سامنے آتی ہیں۔

مولوی عبد اللہ حسنی نے اس حقیقت کو سمجھا اور اس کو میدان عمل بنایا، مخلوط اجتماعات کا نظم، ملاقاتوں اور تبادلہ خیال کے مواقع کا نظم، انہوں نے اختیار کیا، اس کے اچھے نتائج سامنے آئے، پہلا کام انہوں نے یہ کیا کہ ذہنوں میں اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں غلط تصورات کی تصحیح کی کوشش کی اور اس کے بعد اسلام کے متعلق شکوک و شبہات کے ازالہ کے لیے لٹریچر تیار کرایا اور مخلوط اجتماعات منعقد کیے، اسی کے ساتھ ساتھ انہوں نے اسلام سے واقفیت حاصل کرنے والوں اور نو مسلموں کے مسائل سے دلچسپی لی اور ان کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا، اور ان کو مطمئن کرنے کی فکر کی، اپنی مختصر عملی زندگی میں اس میدان میں ان کو جو کامیابی ملی وہ تعجب خیز ہے۔

انہوں نے اسلام کے تعارف کے لیے لٹریچر تیار کرایا، ان کی تیار کرائی ہوئی کتاب (Introduction of Islam) بڑی مقبول ہوئی اور بڑی تعداد میں لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ بنی، اسی طرح ان کی رہنمائی میں تیار کی گئی کتاب ''قرآنی افادات'' جو حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندویؒ کی قرآن کریم سے متعلق تقاریر پر مشتمل ہے، بہت مقبول ہوئی، انہوں نے اس کے ساتھ ساتھ اس لٹریچر کو عام کرنے کے اقدامات کیے، مختلف اجتماعات، نمائشوں اور کانفرنسوں کے موقع پر اس لٹریچر کو عام کیا۔

ایک دوسری خصوصیت ان کی یہ تھی کہ ان کا انداز بیان اور خطاب جارحانہ یا ادعائی انداز کا نہیں تھا، بلکہ وہ مخالف کے رجحانات اور جذبات کی رعایت کرتے تھے، اور ان کا تفہیم کا انداز ہوتا تھا، ہجوم کا نہیں، اس لیے وہ سخت مخالف اور معاند ذہن کو اپنی طرف مائل کر لیتے تھے، یہ نبوی اسلوب ہے، جو انہوں نے اختیار کیا تھا، اس لیے ان کے بیان کو ہر طبقہ اور ہر مذہب کے لوگ پسند کرتے تھے، اس کی وجہ سے مختصر مدت میں ان کو وہ مقبولیت حاصل ہوئی جو بہت کم ہوتی ہے اور اس کا اندازہ ان کے انتقال پر مختلف حلقوں سے آنے والوں کے تاثرات سے کیا جا سکتا ہے، علمی حلقوں اور نوجوانوں میں ان کو بڑی مقبولیت

حاصل تھی، دینی تعلیم حاصل کرنے والے اور عصری تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ اور اساتذہ اور تحریکوں کے لوگ ان سے بہت قریب تھے۔

اپنی ان عملی خدمات اور اچھے خطیب ہونے کے ساتھ وہ اپنے والد اور مربی کی طرح اچھے مضمون نگار تھے، ان کی تحریریں عربی اور اردو میں جذبہ ایمانی اور یقین پیدا کرنے والی ہوتی تھیں۔

اس طرح انہوں نے اپنے دادا اور ان کے بھائی جو ان کے مربی اور شیخ تھے، دونوں کے فکر و عمل کو جمع کر لیا تھا، مفکر اسلام نے آخر عہد میں اصلاح معاشرہ اور پیام انسانیت کو اپنا میدان عمل بنایا تھا اور اسلام اور خاص طور پر سیرت نبوی کے تعارف کے لیے لٹریچر بھی تیار کیا تھا۔

ان کا خیال تھا کہ صرف اسلام کی اچھی تصویر پیش کرنا کافی نہیں ہے، ایک تو اس لٹریچر کو محدود طبقہ پڑھتا ہے دوسرے اس سے عقل تو متاثر ہوتی ہے شعور نہیں۔ شعور ذاتی تعلق اور اسلامی زندگی اور سلوک سے متاثر ہوتا ہے، اس لیے علمی وسیلہ کے ساتھ عملی وسیلہ یعنی ملاقات اور مسلمانوں کی زندگی اور سلوک کی اصلاح ہے، اس کے لیے اسلام کے تعارف کے ساتھ انہوں نے اصلاح معاشرہ اور پیام انسانیت کا میدان اختیار کیا۔

مولوی عبد اللہ حسنی نے اپنی تدریسی مشغولیت کے ساتھ ان دونوں میدانوں کو اختیار کیا، انہوں نے تربیت کے لیے یہ چاہا تھا کہ ایسی تربیت گاہیں ہوں یا تربیتی کورس کا نظم ہو جہاں اسلام کو سیکھا جا سکے، اس کے لیے انہوں نے مختلف شہروں میں اپنے نمائندے مقرر کیے اور تربیت کے مراکز قائم کیے اور دعوت دینے کے لیے اور مسلمانوں کی اصلاح کے لیے داعی اور مربی تیار کیے جو مختلف صوبوں میں سرگرم عمل ہیں، ان کے اس کام میں ڈاکٹر، انجینئر، معلم اور سماجی کارکن شامل تھے، اس طرح ان کا کام ہمہ گیر تھا اور ان کا حلقۂ اثر بہت وسیع تھا۔

اس سب کے لیے انہوں نے ہندوستان ہی کو اپنا میدان عمل بنایا، اس لیے کہ اپنے خاندان، اپنے گھر اور پڑوس کی اصلاح پہلے ہونی چاہیے، قرآن کریم کا یہی حکم ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے پہلے اسی کی ہدایت کی گئی: ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الأَقْرَبِيْنَ﴾.

مولوی عبد اللہ حسنی حدیث شریف سے شغف رکھنے کی وجہ سے سیرت کو اپنے لیے نمونہ اور ذات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے لیے اسوہ سمجھتے تھے، اتباع سنت کا ان کو بڑا اہتمام تھا، اور وہ اپنے معتقدین کو اس کی پابندی کا حکم دیتے، سخت بیماری میں بھی وہ اس پر عامل تھے۔

حدیث شریف میں ہے: ''لیس منا من لم یوقر کبیرنا ویرحم صغیرنا'' مولوی عبد اللہ حسنی اس پر عامل تھے، چھوٹوں پر شفقت اور ان کی اصلاح کی فکر اور بڑوں کی تعظیم اور ان کے تجربات سے استفادہ کرنا ان کا شعار تھا، اس کی ہم گواہی دے سکتے ہیں، وہ ہمارے ساتھ گفتگو میں اکرام اور احترام کا معاملہ کرتے تھے، باوجود اپنی اس مقبولیت، محبوبیت اور مشغولیت کے، ہم کو اس پر تعجب ہوتا تھا، بعض وقت ان کے معتقدین اور مستفیدین کا مجمع ہوتا، وہ ان کو چھوڑ کر ہم لوگوں کی طرف متوجہ ہو جاتے، کئی مرتبہ ہم نے ان سے کہا کہ لوگ تمہارے انتظار میں ہیں، خاص طور پر اتوار کو عصر بعد ان کی خاص مجلس ہوتی، بہت بڑی تعداد میں لوگ جمع ہو جاتے، اس وقت ہم اور برادر گرامی مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب گھر پہنچتے تو وہ سب کو چھوڑ کر گھر میں ہم لوگوں کے پاس آ کر بیٹھے رہتے اور ہم لوگوں کے متوجہ کرنے پر کچھ دیر کے لیے مجلس میں چلے جاتے، ان میں غایت درجہ کی تواضع تھی، اپنے اساتذہ کے ساتھ ان کا یہی معاملہ تھا، یہ خصوصیت ان کو اپنے مربی اور شیخ حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندویؒ سے ملی تھی، وہ آخر تک اپنے عصر کے اہل علم اور اہل تقویٰ کی خدمت میں جایا کرتے تھے۔

اپنے کام کے سلسلہ میں بھی وہ ہم لوگوں کو مطلع کرتے رہتے تھے، مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ کے بارے میں ایک بزرگ کا قول ہے کہ وہ اپنے عصر میں اپنے بڑوں سے بڑھ گئے تھے، یہ بات مولوی عبد اللہ حسنی ندوی مرحوم کی زندگی کی جامعیت، مقبولیت اور توفیق الٰہی کو دیکھ کر بھی کہی جا سکتی ہے، فجزاہ اللہ خیراً بما ھو أھلہ۔

ہر انسان کی عمر مقرر ہے ﴿فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ﴾ [سورہ نحل/ ٦١] (پھر جب ان کا وقت معین آ پہنچے گا اس وقت وہ ایک ساعت نہ پیچھے ہٹ سکیں گے اور نہ آگے بڑھ سکیں گے) ان کی بے چینی فکر و عمل کو دیکھ کر بعض وقت محسوس ہوتا تھا کہ ان کو اس بات کا احساس ہے کہ مدت عمل کم ہے، وہ چلے گئے؛ لیکن اپنے مشن کو چلانے اور جاری رکھنے کے لیے ایسے افراد چھوڑ گئے جو ان شاء اللہ ان کے نہج پر کام کو آگے بڑھاتے رہیں گے، ان کے انتقال کا صدمہ فطری ہے، لیکن "ذلك قضاء الله ونحن بقضاء الله وقدره راضون"۔

☆☆☆☆☆

سوز دل

ہماری سوسائٹی کی بیماریاں

اور ان کے علاج کی ضرورت

مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی

آج کے مسلمانوں کی عمومی زندگی کا ایک سرسری مطالعہ اس بات کے ثبوت کے لیے بالکل کافی ہے کہ ہماری زندگی میں بہت زیادہ بگاڑ پیدا ہوچکا ہے اور معاشرہ میں ایسی ایسی خرابیاں جاگزیں ہوچکی ہیں، جن کا علاج بجز اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ ہم اپنے معاشرہ کو ازسرنو تشکیل دیں اور زندگی کو اسی پرانی راہ پر واپس لے چلیں جہاں سے ہمارے اسلاف اور امت کے رہنماؤں نے اپنا سفر شروع کیا تھا۔

ہماری اجتماعی زندگی میں جو بیماریاں داخل ہوچکی ہیں، وہ گھن کی طرح زندگی کی بنیاد کو کھوکھلی کر رہی ہیں اور اس کے سارے بنیادی عقائد کو مسخ کرکے ایک ایسا مخلوط معاشرہ جنم دینا چاہتی ہیں جس کا ظاہر اسلام اور باطن شرک وبدعت اور کفرو نفاق ہوگا، بلکہ میں ایک قدم آگے بڑھ کر یہ کہہ دوں تو کوئی حرج نہیں کہ یہ معاشرہ ظاہری اسلام سے بھی محروم ہوگا اور وہ ایک خالص غیر اسلامی سوسائٹی ہوگی جس پر اسلام کا لیبل لگا کر سادہ لوح مسلمانوں اور ناخواندہ طبقے کو دھوکا دیا جائے گا۔

معاشرہ کو تبدیل کرنے کی یہ خفیہ مہم آج سے بہت پہلے شروع ہوچکی ہے، لیکن اب اس کا دھارا اس قدر تیز ہے کہ عام مسلمانوں کی زندگی اسلامی اصولوں سے کٹ کر اور عقائد وایمانیات سے ناآشنا ہوکر رہ گئی ہے، اسلام صرف اس بات میں محدود ہوکر رہ گیا ہے کہ رسوم کی پرستش کی جائے، قبروں پر سجدہ کیا جائے، عرس کے مخلوط میلے لگائے جائیں، شرک اور بدعت کے تمام کاموں کو اتنے دھوم اور اہتمام کے ساتھ انجام دیا جائے کہ دوسرے لوگ اسی کو اسلامی شعار، ایمان وعقیدہ کا اہم جز سمجھنے لگیں اور ہر دیکھنے والے کو اس کا یقین ہوجائے کہ اسلام میں یہ سب باتیں بے حد ضروری ہیں اور اس کے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہوسکتا۔

آج کے عام مسلمان کی زندگی میں شرک و بدعت، رسوم پرستی، قبروں کی عبادت، نذرونیاز اور اس طرح کی اور بہت سی بیماریاں شعار کی حیثیت سے داخل ہوچکی ہیں جس کے بغیر وہ اپنی ''اسلامی زندگی'' کو ناقص، اور اپنے ایمان کو غیر معتبر تصور کرتا ہے، اس کے نزدیک یہی وہ اہم اور بنیادی باتیں ہیں جو ہر مسلمان کے لیے بہ حیثیت مسلمان ہونے کے ضروری ہیں۔ وہ یقین رکھتا ہے کہ آخرت میں اس کی نجات اسی پر منحصر ہے، اور اگر نذرونیاز، فاتحہ وعرس اور ادائیگی رسوم وغیرہ میں کوئی کمی رہ گئی تو اس سے مواخذہ ہوگا اور وہ سچا اور صاحب عقیدہ مسلمان کہلانے کا کسی حال میں مستحق نہیں ہوسکتا ہے۔

ایک ایسا شخص جو اپنے آپ کو اس کے بغیر مسلمان کہلانے کا حقدار نہیں سمجھتا، اور ان غیر شرعی امور کو جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ انجام دینے کے لیے اپنی آخری کوشش صرف کردیتا ہے، اگر عبادات ومعاملات کے پہلو سے ہم اس کی زندگی کا مطالعہ کریں تو وہ نہ صرف اس سے غافل بلکہ ناآشنا اور اس سے بالکل ناواقف ہوگا، اس کو دن رات کی نمازوں کی صحیح تعداد تک نہیں معلوم ہوگی، وہ فرض اور سنت سے قطعاً بے خبر ہوگا، بلکہ حد تو یہ ہے کہ وہ اسلام کے بنیادی کلمہ سے بھی بالکل ہی ناآشنا ہوگا، اسی طرح معاملات میں وہ اتنا ناقص ہوگا کہ لوگ اس سے اجتناب کریں گے، وہ شراب بھی پیتا ہوگا، جوا بھی کھیلتا ہوگا اور چوری کو بھی جائز سمجھتا ہوگا، لیکن وہی شخص ہر جمعرات کو کسی بزرگ کی قبر پر سجدہ کرنا ضروری سمجھتا ہے۔ شب برأت کے موقع پر آتش بازی کے لیے جس طرح بھی رقم مل سکے اس کو جمع کرنا فرض عین خیال کرتا ہے، قبروں پر چڑھاوا چڑھانے کے لیے اور اس پر گھی کا چراغ روشن کرنے کے لئے ہر طریقہ سے پیسہ حاصل کرنا اس کے نزدیک ثواب کا کام ہے۔ یہ سب محض اس لیے کرتا ہے کہ اس کے نزدیک اس کے بغیر اسلام کا حق ادا نہیں ہوسکتا، اور وہ صحیح معنوں میں مسلمان کہلانے کا اہل نہیں ہوسکتا۔

یہی وہ گھن ہے جو ہماری سوسائٹی میں ہر طرف پھیلا ہوا ہے، ہر شہر، گاؤں اور قصبہ میں اس بیماری نے اپنا تسلط جما رکھا ہے، اور عام مسلمانوں کو اس مرض سے کسی طرح نجات نہیں حاصل ہے، اگر ہم غور کریں تو دراصل اس بیماری کا منبع ہمارے پڑھے لکھے طبقے کا ایک ایسا گروہ ہے جو اپنی غرض پوری کرنے اور اپنی ذاتی منفعت کے لیے جاہلوں کو دھوکا دیتا ہے اور ان سے دین کے نام پر ایسے ایسے کام کراتا ہے جس کا دین سے کسی حال میں کوئی تعلق نہیں ہے۔ دین کو لہو ولعب اور نفس کی تسلی کا ایک ذریعہ بنا کر یہ لوگ سادہ لوح عوام کو دھوکا دیتے ہیں

جو ظاہری باتوں کے دلدادہ ہوتے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پھر یہ لوگ اسی کو اسلام، ایمان اور عقیدہ سب کچھ سمجھنے لگتے ہیں اور اگر کوئی ان کو ان طفلانہ حرکتوں پر متنبہ کرتا ہے تو اس کو دین کے دائرہ سے خارج، وہابی اور کافر تک کہہ دینے سے نہیں چوکتے۔

یہ رسوم پرستی اور شرک وبدعت صرف قبروں اور نذرونیاز، عرس اور میلوں میں ہر جگہ منحصر نہیں، بلکہ بہت سی جگہوں میں اس کی شکلیں بدلی ہوئی ہیں، کہیں قبر پرستی کا رواج کم ہے، لیکن شادی بیاہ کے موقع پر غالی قسم کی رسوم پرستی کی لعنت اس طرح پھیلی ہوئی ہے کہ اس سے سرمو انحراف دین کے کسی بڑے رکن سے انحراف کے مرادف تصور کیا جاتا ہے، کہیں معاملات میں لوگ اس طرح بے لگام ہیں کہ ان کے نزدیک منافع خوری، چور بازاری اور اجارہ داری پر فخر ہوتا ہے اور اس میں ریس اور مقابلہ شروع ہوتا ہے کہ کون زیادہ نفع کما سکتا ہے۔ کون پہلے بنک میں حساب کھول سکتا ہے اور کس کو جلد بہترین مکان بنوانے کا چانس حاصل ہوتا ہے، اسی طرح کہیں مہر گراں کرنے کا رواج عام ہے تو کہیں بارات کے جلوس میں زیادہ سے زیادہ آتش بازی، کاروں کی قطار، ہاتھی اور گھوڑے کی صفیں، انگریزی باجے کے نغمے، پھولوں اور پیسوں کی بارش، مالاؤں کا سیلاب اور زیادہ سے زیادہ ظاہر داری کا مظاہرہ کرنے کی رسم ہے، اور اس کو فخریہ انداز میں ہر جگہ بیان کرنے کا طریقہ ہے۔

یہ سب کچھ ہمارے اسی معاشرہ میں ہوتا ہے جس کو بدقسمتی سے ہم اسلامی معاشرہ کہتے ہیں، حالانکہ اسلامی معاشرہ میں پہلے یہ چیزیں موجود نہیں تھیں، اور نہ تاریخ میں کہیں اس طرح کی باتوں کا پتہ چلتا ہے۔ اسلامی معاشرہ ایسے افراد سے بنتا ہے جو صحیح معنوں میں مسلمان ہوں، شرک وبدعت سے جو بالکل ناآشنا ہوں اور رسوم پرستی، قبرنوازی، اور ان تمام لعنتوں سے پاک ہوں جن کا شریعت میں کوئی وجود نہیں ہے۔

آج کے اسلام کا تعلق پہلے کے اسلام سے بالکل نہیں ہے، اگر آج کا اسلام رسم ورواج، شرک وبدعت اور غیر اللہ کی پرستش کو جائز قرار دیتا ہے تو کل کا اسلام اس سے بالکل منزہ تھا، وہاں ایمان کا تقاضا یہ تھا کہ اللہ کے بتائے ہوئے سارے احکام پر عمل ہو، عبادات ومعاملات میں ہر مسلمان اسلامی اصول کے مطابق اپنی زندگی گزارے اور اسلامی تعلیمات سے ذرہ کے برابر انحراف کو قابل عتاب تصور کرے۔

لیکن جب ہماری عمومی زندگی کا حال یہ ہو کہ اللہ کے احکام کو پس پشت ڈال کر اور اسلامی تعلیمات سے منہ موڑ کر غیر اللہ کے الہام کئے ہوئے خرافات کو ہم اسلام کا جزء سمجھنے لگیں اور بنیادی عقائد وایمانیات سے بیگانہ ہوکر ہر طرح کی برائیوں میں مبتلا ہوجائیں تو بلاشبہ ہمیں اپنے اوپر نازل ہونے والی مصیبتوں اور آئے دن آنے والے عذاب کا شکوہ بھی نہیں کرنا چاہئے۔ ہم اللہ تعالیٰ کے حقوق کو ادا نہیں کرسکتے اور اس کے شعائر کی مدافعت نہیں کرسکتے، تو کس منہ سے ہم یہ امید رکھیں کہ وہ ہماری حفاظت کرے گا اور مصیبتوں کے وقت وہ ہمارا ساتھ دے گا۔

یہ مشاہدہ ہے کہ ملک کے مختلف حصوں میں مسلمانوں پر جب قیامت نازل ہوئی، وہاں کے مسلمانوں کی عمومی زندگی کا جب جائزہ لیا گیا تو پتہ یہ چلا کہ وہ لوگ اپنی خاص وعام زندگی میں اسلامی تعلیمات سے بہت پیچھے ہٹ چکے تھے اور معاشرہ کی ہر برائی اور گناہ میں وہ آگے آگے تھے۔ کتنے مسلمان ان میں ایسے تھے جو شراب کی بھٹیوں کے ٹھیکے دار تھے اور شراب نوشی عام کرنے کے لیے وہ باقاعدہ مہم چلاتے تھے، کتنے لوگ سنیماؤں کے مالک تھے اور اس کی برائیوں کو شہ دیتے تھے، اور اس طرح وہاں کے مسلمانوں کی عام زندگی دین سے بیگانہ ہوچکی تھی۔ طرح طرح کی برائیاں ان کے گھروں میں داخل ہوچکی تھیں، کسی شر کا استقبال کرنے اور اس کو سینے سے لگا لینے میں ان کو کوئی عار نہیں تھا، بعض دوستوں سے یہاں تک معلوم ہوا کہ ان میں اور دوسرے غیر مسلم لوگوں میں کوئی فرق نہیں تھا، بلکہ یہ برائیوں میں ان سے بھی دو قدم آگے تھے، بے پردگی، زناکاری، شراب نوشی، سود خوری، آزادی اور غفلت، یہ سب کچھ ان کے معاشرہ کا خاص وصف تھا۔

اس کے بعد بھی ہم پر مصیبتیں کیوں نہ نازل ہوں، قیامت کیوں نہ ہمارے سروں پر ٹوٹے، اور ہر طرح کی بے انصافیوں کا نشانہ کیوں نہ ہم بنیں؟ جب تک ہماری زندگی کا یہ حال رہے گا۔ یہ سب کچھ ہوتا رہے گا اور برابر مصائب وآلام نازل ہوتے رہیں گے۔ اس لیے ہر طرح کے اقدام سے پہلے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم میں سے ہر شخص اپنی زندگی کا مطالعہ کرے اور اس کو اسلامی تعلیمات کے مطابق بنائے، عبادات ومعاملات میں ہم خود اپنی اصلاح کریں اور افراد کی اصلاح کے لیے کوشش کریں، اس لیے کہ عوام کی اصلاح خود نہیں ہوسکتی، اس کے لیے کوشش ضروری ہے۔ لیکن اس کے ساتھ شرط ہے کہ ہماری زندگی ایسا نمونہ ہو جس کو دیکھ کر وہ متاثر ہوں اور اس سے سبق حاصل کریں۔

ملک میں بعض دینی جماعتیں انفرادی اصلاح

کا کام پوری تندہی سے کررہی ہیں اور اس کے فوائد بھی ہماری نظروں کے سامنے ہیں، لیکن اس وقت جس طرح یہ مرض پھیل چکا ہے۔ اور یہ بیماری جتنی عام ہو چکی ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے آپ کو اپنی اور دوسروں کی اصلاح کا ذمہ دار سمجھے، اور معاشرہ میں گھس کر وہ لوگوں کے سامنے صحیح اسلامی زندگی کا نقشہ رکھے۔

جب تک ہماری دینی حالت بہتر نہ ہوگی، اور ہم اپنی نجی زندگی میں سچے مسلمان نہ بنیں گے، اس وقت تک کوئی علاج کارگر نہیں ہوسکتا۔ اتحاد بین المسلمین کا خواب، سیاسی بیداری کی کوشش سب کچھ اسی وقت مکمل ہوسکتا ہے، جب مسلمان صحیح معنوں میں مسلمان ہوں، اور وہ دنیا کے ساتھ ساتھ دین کے شیدائی بھی ہوں۔ بغیر دینی بیداری کے سیاسی بیداری کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکتا۔

مسلمان اسی وقت ایک زندہ، متحرک، فعال اور گرم جوش عنصر ہوسکتا ہے جب اس میں دینی روح پوری طرح موجود ہو، اسی وقت وہ قوموں کی تقدیریں بدل سکتا ہے اور قیصر و کسریٰ کے ایوان میں زلزلہ پیدا کرسکتا ہے.... لیکن مسلمان اس کے بغیر راکھ کا ایک ڈھیر ہے اور مٹی کی ایک تصویر ہے جو پیروں سے روندی جاسکتی ہے، اور بے دردی کے ساتھ اس کو ٹکڑے ٹکڑے کیا جاسکتا ہے۔

اگر ہم کو اپنی حالت کے بدلنے اور غفلت کی نیند سے بیدار ہونے کی فکر نہیں ہے تو ہم کو ہر طرح کی ذلت، رسوائی، اور غلامی کے لئے تیار رہنا چاہیے۔

اقبال نے شاید اسی موقع کے لئے کہا تھا۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال خود اپنی حالت کے بدلنے کا

☆☆☆☆☆

لائحۂ عمل

قرآن حکیم - ایک نسخۂ کیمیا

مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی

اس دور میں جب کہ بے شمار دنیوی اور مادی ترقیاں ہوئی ہیں، طرح طرح کی ایجادات سے دنیا روشناس ہوئی ہے، ضرورت بے ضرورت کی چیزیں عالم کے وجود میں آئی ہیں، اس اعتبار اور اس لحاظ سے دنیا اخلاقی اور دینی حیثیت سے پست سے پست ہوتی گئی، ان ساری ترقیوں کے ساتھ انسان قعر مذلت میں گرتا گیا، اس خدا کو جو اس کائنات کا خالق و مالک ہے، بھلا کر مادیت کے سیل میں بہہ گیا، مذہب و اخلاق تو خیر بلند چیزیں ہیں انسانی مرتبہ سے گر کر ایک چوپایہ سے بدتر ہوگیا۔

انسان دنیا میں کیوں آیا؟ یہ ایک اہم سوال ہے، یہ سوال ایسا نہیں جس کو نظر انداز کر دیا جائے۔ یہ سوال ایک ایسا سوال ہے جو ہمارے ضمیر کو، ہمارے قلب کو جھنجھوڑ رہا ہے، ساری انسانیت کو جھنجھوڑ رہا ہے: ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ﴾۔ یہ ہے اس عظیم اور اہم سوال کا جواب، جو دنیا کو ملا ہے، اس سوال کا جواب جو انسانیت کے پیش نظر ہے، جو ہر دل و دماغ کے سامنے ہے، ہر اس انسان کے سامنے ہے جس میں انسانیت کی کوئی رمق بھی باقی ہے۔

یہ ارشاد باری تعالیٰ ہم کو بتاتا ہے اور اس بات کو صاف کرکے، واضح کرکے بیان کرتا ہے کہ انسان دنیا میں صرف عبادت الٰہی کے لئے آیا ہے اور بقیہ تمام چیزیں دنیا کی آرائش و زیبائش، اس کی نعمتیں اور تمام مخلوقات یہ سب انسان کی ضروریات پوری کرنے کے لئے ہیں۔

انسان کی پیدائش کا اصل مقصد یہ ہے کہ وہ دنیا میں رہے بس اپنی جائز ضرورتوں کو پورا کرے اور اپنی زندگی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت میں گزار دے، انسان اپنی زندگی کو کس طرح عبادت الٰہی میں گزارے، وہ ہر وقت سجدے نہیں کرسکتا، وہ ہر وقت نمازیں نہیں پڑھ سکتا، وہ تمام زندگی روزہ نہیں رکھ سکتا۔ کتنی کریم ہے وہ ذات، کتنی شفیق ہے وہ ذات جس نے ایسا لائحہ عمل بھی عطا کیا کہ اگر اس پر عمل کیا جائے تو کھانا پینا بھی عبادت بن جائے، سونا جاگنا بھی عبادت ہو جائے، چلنا پھرنا عبادت بن جائے۔ خرید و فروخت بھی عبادت میں شمار ہونے لگے، بات چیت بھی عبادت ہو جائے، غرض پوری زندگی عبادت الٰہی کا دوسرا نام ہو جائے۔ یہ لائحہ عمل کیا ہے؟ ایسی عظیم نعمت جس کے سامنے دنیا و مافیہا کی تمام نعمتیں ہیچ ہیں، کیا ہے؟ یہ نسخہ کیمیا کیا ہے؟ یہ ہے کتاب الٰہی قرآن حکیم، جو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ہم تک پہونچا، فدا ہوں ہمارے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

☆☆☆☆☆

دل دردمند

تین قوتوں کی ضرورت

علم، مال اور حکومت

مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ

کچھ اجمالی طور پر جانتے ہیں کچھ تفصیلی طور پر، یہ الگ بات ہے کہ ہر مسلمان کو اسلامی تاریخ سے ضرور واقف ہونا چاہیے، جو اپنے ماضی سے واقف نہیں ہوتا وہ مستقبل کا فاتح نہیں بن سکتا اور جو اپنی بنیاد سے واقف نہیں ہوتا وہ مضبوط اور بلند عمارت تعمیر نہیں کرسکتا، اسی وجہ سے جو لوگ ماضی کی تاریخ سے نابلد ہوتے ہیں وہ لوگ ہزار کوششوں کے باوجود ناکام رہتے ہیں، اس لیے آپ کی اور ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم لوگ اپنی بنیاد سے واقف ہوں، بنیاد تو بڑی لمبی چوڑی ہے، مختصراً چند باتیں ذہن میں رہنی چاہئیں مثلاً جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے تو ابتدا ہی سے مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا جس کو حضرت ورقہ بن نوفل نے فرما دیا تھا کہ جو تم حق لے کر آئے ہو، حق جب بھی آئے گا تو اس کی مخالفت کی جائے گی اور جب صحیح بات کی جائے گی تو لوگوں کو ناپسند ہوگی اور جب حق کا پرچار کیا جائے گا تو جو مخالفت باہر سے ہوئی، وہ تو ہوگی، لیکن اندر سے بھی ہوگی، مخالفتوں سے ڈرنا اور گھبرانا کام کرنے والوں کے لیے کوئی حقیقت نہیں رکھتا، گھبرانا اس کو نہیں چاہیے اپنے کام میں لگنا چاہیے، مخالفتیں چاہے جتنی بھی ہوں، آخر میں فیصلہ اہل حق کے ہی حق میں ہوتا ہے، وقت کی بات ہوتی ہے کبھی جلدی اور کبھی دیر، لیکن ظاہر ہے اس میں ہماری کوششیں ہونی چاہئیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نظام ایسا رکھا ہے۔ جس کو حضرت علیؓ نے آسانی سے سمجھایا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو سمجھانے اور مسئلوں کو حل کرنے کی غیر معمولی صلاحیت عطا فرمائی تھی۔

ایک بار ایک شخص نے حضرت علیؓ سے آکر پوچھا تھا کہ ہم کو اختیار کتنا ہے اور کتنا نہیں ہے؟ یہ پیچیدہ سوال ہے، لیکن حضرت علیؓ نے ایک منٹ میں حل کر دیا، اس سے کہا سامنے آجاؤ اور پیر اٹھاؤ، اس نے اٹھایا کہا دوسرا اٹھاؤ، کہا نہیں اٹھا پائیں گے، آپ نے فرمایا: بس یہی ہے، اس طرح حضرت علیؓ نے بات واضح کردی جو عقلمندوں کے لئے کافی ہے، لیکن ہم اس میں غور نہیں کرتے، اس لئے مسئلہ ادھورا رہ جاتا ہے، ہوتا یہ ہے کہ آپ اسی پیر کو لے لیجیے، اگر دونوں اٹھا کر چلیں گے تو اوندھے منھ گریں گے یعنی جس میں اختیار تھا اس کو اختیار نہیں کیا اور جس میں اختیار نہیں تھا اس کو اختیار کیا، تو اوندھے منھ گرے یا پھر دونوں پیر زمین پر رکھ کر چلیں گے اور اس میں بھی گریں گے، کیونکہ اس میں آسانی سے چلا نہیں جاسکتا تو معلوم یہ ہوا کہ ایک پیر اٹھائے اور ایک رکھے۔

اختیاری اور غیر اختیاری نظام

اسی طرح اختیار اور غیر اختیار کا ایک نظام چل رہا ہے، اب جو کوششیں ہمارے اختیار میں ہیں، وہ ہمارے اختیار میں ہیں، وہ ہم کرلیں پھر اللہ پر چھوڑ دیں، جیسے محنت ہم کریں، نتائج اللہ کے ذمہ، محنت ہم کریں نتائج اللہ دے گا، وہ اللہ پر چھوڑ دیں یا اسکو یوں سمجھ لیجیے کہ نیک بننا ہمارے ذمہ ہے جسکو کہتے ہیں صالح بننا اور مصلح بنانا اللہ کے ذمہ ہے، ہوتا یہ ہے کہ ہم مصلح بن جاتے ہیں تو اوندھے منھ گرتے ہیں، ہم صرف نیک بننے کی کوشش کریں بس، باقی مصلح خدا بنائے گا، جس کو مصلح خدا بناتا ہے وہ ترقی کرتا چلا جاتا ہے اور جو خود سے مصلح بنتا ہے وہ خود مسئلہ بن جاتا ہے، اس لئے یہ آج کا مرض ہوگیا ہے کہ ہر انسان مصلح بننا چاہتا ہے اور صالح بننے کی فکر نہیں ہے، سب یہ چاہتے ہیں کہ ہم رہبر بن جائیں، مصلح بن جائیں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خود اپنا تو نقصان کرتا ہی ہے، دوسروں کو بھی نقصان پہنچاتا ہے، لہٰذا آدمی کو سمجھ لینا چاہیے کہ کس چیز میں اختیار ہے اس کو بجالائے اور جس میں اختیار نہیں ہے وہ خدا کے حوالے کردے۔

جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کام کو آگے بڑھایا تو لوگ شیر و شکر ہوتے چلے گئے، انصار و مہاجرین یہ سمجھے کہ سگے بھائی ہیں، یہ اس مواخات اور بھائی چارہ کا نتیجہ تھا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار و مہاجرین کے درمیان قائم فرمایا تھا، یہاں تک کہ یہ بھی لگا کہ میراث میں بھی شرکت ہو جائے گی، لیکن اسلام چونکہ فطری دین ہے، اس لیے اس نے ہر غیر فطری چیز کو ختم کردیا، کسی کو بیٹا بنا لینا غیر فطری ہے، آپ کسی کو بیٹا سمجھے، بلکہ سب کو بیٹا سمجھے اور اس کو اپنے گھر میں رکھیے، خوب خاطر کیجیے، لیکن بیٹا ہمارا، یہ ہو ہی نہیں سکتا، جیسے آپ ان کے سگے بھائی نہیں، لیکن آپ ان کو سگے بھائی سے بڑھ کر سمجھیں، لیکن سگا بھائی ہو جائے یہ ہو نہیں سکتا، آپؐ نے پہلے مواخات کرائی، بھائی بھائی بنا دیا، جب مضبوط ہو گئے تو کہا آگے بڑھو، اپنے اخوت کے قافلہ کو آگے بڑھاؤ، یہاں تک کہ جو آتے گئے ان کو بھائی بناتے گئے، یہاں تک کے دلوں کو جوڑ دیا گیا، محبت پیدا ہوگئی، اس طرح جب قافلہ آگے بڑھا تو مصر، شام، افریقہ کے ممالک اور ادھر ماوراء النہر جو روس کہلاتا ہے ادھر پہلے اسلام گیا، وہ علاقے اپنی درشت مزاجی، سخت گیری اور جفاکشی میں بڑھے ہوئے تھے، بلکہ

مراکش میں ایک ایسی قوم ایمان لائی جس کے نام ہی سے خونریزی وسفاکی وابستہ ہوگئی تھی، آج تک بربریت زبانوں پر جاری ہے، حالانکہ بربر قوم جو مراکش وافریقہ کے علاقے میں آباد ہیں، مسلمان ہونے کے بعد انسانیت نوازی اور مساوات انسانی میں اپنی مثال ہیں، یہ اسلام کا وہ کارنامہ ہے جو فراموش نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ جب اسلام کا غلبہ ہوا تو بربریت ختم ہوگئی، اس نے سب کو بدل کر رکھ دیا گویا کہ ان کی بربریت کو ختم کردیا، پھر آگے بڑھ کر بعض علاقے وہ ہیں ان کی زبانیں ہی بدل گئیں، یہ کام اسلام کے علاوہ کسی اور کا نہیں ہوسکتا، یہاں تک کے عبرانی، سریانی، قبطی یہ سب زبانیں تھیں اور یہ بربری زبان اور اس کے علاوہ دیگر زبانیں تھیں، وہ تاریخ کا قصہ پارینہ بن گئیں، کوئی جانتا ہی نہیں، یہ سب زبانیں تھیں، یہاں تک کہ یہودیوں کی زبان عبرانی تھی اور وہ اس کو دوبارہ زندہ کرنے کی کوشش کررہے ہیں جو ختم ہوچکی ہے، لیکن یہودیوں نے دوبارہ اس کو زندہ کرنے کی فکر کی ہے اور زندہ کررہے ہیں، تو ایک کارنامہ یہ ہے اور یہ کارنامہ ایسا ہے جو لوگ بھول جاتے ہیں ورنہ بہت بڑا کارنامہ ہے، اسلام نے پورے دو ملکوں کی زبانیں بدل دیں جیسے مصر میں عربی نہیں تھی، عربی ہوگئی، شام میں سریانی تھی عربی ہوگئی، لیبیا میں بربری تھی عربی ہوگئی، سوڈان میں عربی ہوگئی، لیکن جو علاقے دور تھے، وہاں اس کی طاقت کم ہوتی جاتی تھی، وہاں انھوں نے یہ کیا کہ زبان کو مسلمان کرلیا، یہ نہیں کیا کہ زبان کو بدل دیں، بلکہ زبان کو مسلمان کردیا، کیونکہ وہ زبان بڑی پرانی زبان تھی، مثلاً فارسی زبان ایران کی تھی تو اس کو ایسا بدل دیا کہ فارسی زبان خود پوری کی پوری مسلمان ہوگئی، فارسی زبان ایسی مسلمان ہوگئی کہ ہمارے مدارس کا جزو اعظم بن گئی کہ آج تک پڑھائی جارہی ہے۔

حالانکہ زبانیں ساری اللہ کی ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ساری زبانیں اللہ کی ہیں: ﴿وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافُ أَلْسِنَتِكُمْ وَأَلْوَانِكُمْ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّلْعَالِمِينَ﴾. [الروم:۲۲] (اور اس کی نشانیوں میں سے ہے آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنا اور تمہاری بولیوں اور رنگوں کا الگ الگ ہونا، اس میں بڑی نشانیاں ہیں) اللہ تعالیٰ نے زبان بدل دی، اس میں بھی تمہارے لیے نشانیاں ہیں، ایران کی زبان کو مسلمان کرلیا گیا گویا کہ سرکاری زبان عربی ہی رہی اور فارسی بھی اسلام کی زبان رہی، یہاں تک کے ہندوستان کی سرکاری زبان بن گئی، پورے برصغیر کی سرکاری زبان بن گئی، بتانا یہ ہے کہ ان لوگوں نے زبان کو بدل دیا، پھر اس کو مسلمان کرلیا، یہ ایک اہم ترین کام تھا، کیونکہ زبان کے اثرات بہت پڑتے ہیں، اب اس کے بعد یہ ہوا کہ مسلمان زوال کے شکار ہوگئے، جو تقریباً ایک ہزار سال کا دور رہا، تقریباً پانچ سو سال کا دور تو ضرور سمجھ لیجیے یعنی ان کے مقابلہ میں دنیا میں کوئی تھا ہی نہیں، یہاں تک کے یورپ کے لوگ عربی زبان سیکھنے میں اور پڑھنے میں فخر محسوس کرتے تھے، جیسے کہ آج انگریزی سیکھنے اور پڑھنے میں محسوس کیا جارہا ہے، بالکل ایسے ہی یورپ کے لوگ عربوں کے پاس آکر خوشامد کرتے تھے کہ ہم کو عربی سکھادو اور سارے علوم مسلمانوں سے سیکھتے تھے، عربی کا وہی حال تھا جو اس زمانے میں یورپ کی زبان کا حال ساری دنیا میں ہے، آہستہ آہستہ پانسہ پلٹا، انھوں نے علوم وفنون کو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور مسلمانوں کو آپس میں دست وگریباں کرکے اور علوم سے بیگانہ کرکے الگ کردیا اور وہ سیکڑوں سال اُلجھتے رہے، سلجھتے رہے۔

یہ پوری تاریخ ہے، بتانا یہ ہے کہ ایک دور یورپ کا آیا اور پوری دنیا میں چھا گیا اور اس طرح چھایا کہ ان کی زبان اصل زبان قرار پائی اور وہ علوم جو مسلمانوں کے تھے اور مسلمانوں نے ہی ان کی بنیاد رکھی تھی، آگے بڑھایا، دنیا کو اس سے روشناس کرایا، علوم یورپ نے مسلمانوں سے سیکھے اور محنت کرکے آگے بڑھے، انھوں نے اس کے اندر سے اسلامیت کو ختم کرنے کی کوشش اور یہ محنت کی کہ اس کے اندر غیر اسلامی عناصر داخل ہوجائیں۔

عربی پر بھی انھوں نے محنت کی، مٹانے کی کوشش کی، وہ جانتے تھے جڑ یہی ہے، جڑ کاٹ دو پورا درخت سوکھ جائے گا، اس لئے اتنے تیر چلائے ہیں اس پر جس کو عربی والے ہی جانتے ہیں، عامی زبان کو رائج کرنے کی کوشش کی گئی، عربی زبان کو علاقائی زبانوں میں بانٹنے کی کوشش کی گئی، مختلف لہجوں میں بانٹنے کی کوشش کی گئی، لیکن عربی عربی ہے، جب تک وہ قرآن وحدیث سے جڑی ہے، جب تک قرآن تب تک عربی ہے اور قرآن کو کوئی بدل ہی نہیں سکتا، اسلئے عربی کو کوئی نقصان پہونچا ہی نہیں سکتا۔

زمانہ پلٹ گیا، آج بھی عربی زبان کا عروج ویسے ہی ہے، اس کو ختم نہیں کیا جاسکتا، جب تک قرآن ہے، تب تک عربی رہے گی، لیکن یہ ضرور ہوا کہ بہت سے پڑھے لکھے لوگوں کو اپنے کام کے لیے خریدا، ان سے اسلام کو نقصان پہونچانے والے کام کرائے اور جہاں جہاں ان کی حکومتیں تھیں خاص طور سے برصغیر میں، وہاں انھوں نے انگریزی سے محبت اور عظمت پیدا کرنے کی بھرپور کوششیں کیں، اور وہ اس میں کسی حد تک کامیاب بھی ہوئے، نتیجہ یہ ہوا کہ انگریزی زبان کا ایک لفظ بولنے میں فخر محسوس کرنے لگے، ہمارے بڑوں نے بتایا کہ جب انگریزوں کی حکومت ہندوستان میں تھی، اس وقت ایک انگریز جب راستے سے گزرتا تھا تو سارے مسلمان کھڑے ہوجاتے تھے، ہم نے

دیکھا نہیں سنا ہے، اس پر ہم لوگ اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ ہم نے وہ دور نہیں دیکھا کہ انگریز جب گزرتا تھا تو سب کو سانپ سونگھ جاتا تھا، ایک معمولی گورا راستے میں گھر جارہا تھا، اس نے ایک مسلمان سے کھڑے ہوکر کہہ دیا How are you یا کوئی نام پوچھ لیا What is your name جب وہ گھر جاتے تو بولتے نہیں تھے، لوگوں نے کہا، بھائی کیا ہوا بولتے کیوں نہیں ہو؟ تو انھوں نے کہا، جانتے نہیں ہو آج انگریز نے مجھ سے کہا ہے کہ How are you تو اتنی سی بات میں اس وقت مست تھے کہ ہم اس لائق نہیں کہ ہم سے بات کریں، اتنا فخر محسوس کرتے تھے، کیا دور رہا ہوگا۔

بلکہ ہمارے ایک بزرگ فرماتے تھے کہ یہاں تک بات پہنچ گئی، ایک صاحب تھے، وہ کہا کرتے تھے کہ کتنے خوبصورت لوگ ہیں گوری چمڑی والے، ان کو اللہ جہنم میں کیسے ڈالے گا؟ یہ ہے پسماندگی، احساس کمتری اور مرعوبیت، اور جب تاثر ہوتا ہے تو بات کہاں تک پہنچ جاتی ہے، یہ دور تھا، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہم نے وہ دور دیکھا نہیں، ورنہ اس دور کے کتنے مسلمان جہنم میں چلے گئے۔

اس لیے جب انگریزوں کی غلامی کی، ان کے راستوں پر پڑے تو نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے، اس لیے کہ وہ اللہ کے رسول کا مذاق اڑاتے تھے اور اسلام کا مذاق اڑانا تو آج تک جاری ہے یعنی سب کچھ ختم ہوجانے کے باوجود آج بھی اتنا تاثر ہے، عام بول چال میں لوگ کتنی انگریزی بولتے ہیں، آدھی انگریزی ہوتی ہے آدھی اردو، مجھے تو ہنسی آتی ہے کہ ایک لفظ بولیں گے کہ آپ کا نام کیا ہے، پھر وہی وہاں انگریزی کا لفظ بولنا شروع کردیں گے، ارے بھائی نہ انگریزی ہے نہ اردو، کیا بول رہے ہو اور یہ جو انگلش میڈیم کے طلبہ ہیں ان کی گفتگو سنئے آپ، اور آج کل مجھے بہت سننے کا موقع مل رہا ہے، کیونکہ آج کل ہم بچوں میں انعامات کا مقابلہ کرارہے ہیں۔

تین طاقتوں کی ضرورت

ابھی جودھ پور، اورنگ آباد اور لکھنؤ کے کالجوں میں جاچکا ہوں تو لڑکوں سے تاثرات لیتے ہیں تو آدھی انگریزی اور آدھی اردو بولتے ہیں، عجیب ہے نہ ادھر کے ہیں نہ ادھر کے، اس سے نجات پانے، کھویا وقار واپس لانے اور عظمت رفتہ کو بحال کرنے کے لیے تین طاقتوں کی ضرورت ہے: ایک عہدہ، دوسرا مال اور تیسرا علم۔ عہدے میں قوت ہے، پیسوں میں قوت ہے اور علم میں قوت ہے، عہدے کی قوت اپنی جگہ ہے اس کا انکار نہیں کرتا، اس کے اندر طاقت ہے، پیسے کے اندر طاقت ہے اگر اس کا کوئی انکار کرے، تو غلط ہے۔

اور علم کے اندر بھی قوت ہے، اس کا کوئی انکار کرتا ہے تو غلط ہے، لیکن ان تینوں میں علم کی قوت سب سے زیادہ ہے، علم کی قوت کے آگے بڑے سے بڑے جھک جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے علم کے اندر طاقت رکھی ہے، علم دماغ ہے، عہدہ وحکومت ڈھانچہ ہے، مال چلنے دوڑنے کے لیے پیر اور سواری ہے، اگر جسم کے اندر طاقت ہے تو ظاہر ہے کہ اس سے سارے کام وابستہ ہیں اور اگر پیر میں طاقت ہے تو چل سکے گا، ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتا رہے گا، اس لئے جیسا کہ میں نے پہلے کہا ہے کہ مال پیر ہے کھڑے ہونے کے لیے، اور علم بڑے ہونے کے لیے ہے، اور عہدہ لوگوں کی رہنمائی اور سرکشوں کو درست کرنے کے لئے ہے، تو تینوں چیزوں میں اللہ تعالیٰ نے طاقت رکھی ہے، اب تینوں چیزوں میں سے کچھ ہمارے پاس نہیں ہے، یعنی عہدہ ہمارے پاس نہیں ہے، پیسہ بھی عہدہ سے وابستہ ہے، عہدہ جب کمزور ہوتا ہے تو آدمی کے پاس پیسہ ہوتے ہوئے بھی آدمی کمزور ہوتا ہے، لیکن ایک چیز ہے علم، وہ بہرحال اپنے اندر آج بھی طاقت رکھتا ہے اور لوہا منوالیتا ہے اور جو قرآن شریف میں آتا ہے: ﴿لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ یہ دین غالب آئے اور سارے دین مغلوب ہوں، تو یہ سب عہدے اور طاقت سے ہوگا اور دوسرا علم سے ہوگا یعنی تمام مذاہب علمی اعتبار سے کس مقام پر ہیں اور اسلام کس مقام پر ہے تو اسلام ظاہر ہے کہ سراپا علم کی حیثیت رکھتا ہے اور یہ ایک سر کی حیثیت رکھتا ہے اور جتنے مذاہب ہیں وہ سب سر سے نیچے ہیں اور ظاہر ہے کہ سر، سر ہے، سر میں دماغ ہے جو سب کو چلاتا ہے، اس لئے ظاہر میں آدمی عقلمند ہو، اب اگر پیر سے کمزور ہے تو وہ بیٹھے بیٹھے بھی کام کر لیتا ہے، ہمارے ڈاکٹر آصف قدوائی نے بہت سی کتابیں لکھیں اور کیا قلم تھا اس اللہ کے بندے کا، ان کا حال کیا تھا، میں ان کے پاس حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کے ہمراہ کبھی کبھی جاتا تھا، تقریباً اٹھارہ سال کی عمر سے وہ بستر پر تھے اور ۶۹ سال تک ایک کروٹ پر رہے، پورا بدن ان کا زخمی ہوگیا، یہاں تک کہ اخیر وقت میں ہمارے حضرت مولاناؒ ان کے پاس گئے، اس سے پہلے کبھی انھوں نے شکایت نہیں کی، لیکن اس دن فرمایا: حضرت! برداشت نہیں ہوتا، دعا فرمادیجئے ایمان پر خاتمہ ہوجائے، لیکن سب لیٹے لیٹے کام کرتے تھے، کتاب کھول لیتے تھے، یوں ایک ہاتھ سے لکھتے تھے اور ایک ہاتھ سے پڑھتے تھے اور اس طرح پچاس سال تک کیا اور پچاس ساٹھ کتابوں سے زیادہ کے مصنف ہیں، یہ ہے دماغ، تو علم بہت وسیع چیز ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے پیسہ دیا ہے وہ طاقت ہے، اس سے چلتا ہے اور کھڑا ہوتا ہے اور عہدہ و حکومت رہبر ہے، اس سے رہنمائی کرتا ہے، لہٰذا

اب لڑائی کسی بھی طرح کی جائز نہیں جیسا کہ ایک زمانے سے رہا ہے کہ یہ انگریزوں کی زبان ہے کہ انگریزی سیکھی نہیں جائے گی، انگریزوں نے اس کی مخالفت کی، لیکن ہمارے علماء نے ایسا کیا تھا، لیکن اب وہ دور چلا گیا، اس وقت اس کی ضرورت تھی۔

اب انگریزی ہماری زبان ہے، اس لیے کہ ساری زبانیں خدا کی ہیں، ان سب زبانوں میں خدا کی نشانیاں ہیں: ﴿وَاخْتِلَافُ أَلْسِنَتِكُمْ وَأَلْوَانِكُمْ﴾ تو اس میں نشانیاں الگ ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کو پہنچاننے کی صورتیں الگ ہیں، ایسے ہی زبانیں الگ ہیں، تو جس طرح اُردو میں حمد وثنا ہوتی ہے، عربی میں حمد وثنا ہوتی ہے، اسی طرح ہندی اور انگریزی میں بھی حمد وثنا ہونی چاہیے، اللہ کی حمد مقصود ہے خواہ کسی زبان میں ہو، اب اگر کوئی صرف ہندی جاننے والا ہے، اردو نہیں جانتا تو اللہ تعالیٰ کی حمد کیسے کرے گا؟ تو اس کو ہندی میں کرنا چاہیے، اللہ تعالیٰ کے لئے ہندی اجنبی نہیں ہے، وہ ساری زبانوں کا خالق ہے، اس کے لیے کوئی بھی مشکل نہیں ہے، تو ہمارے لئے یہ ضروری ہوگیا ہے کہ ہم علم اور مال دونوں طاقتوں کو لے کر اس تیسری طاقت تک پہنچنے کی کوشش کریں اور اس کے ذریعہ سے اسلام کو عام کریں، یہ ہماری ذمہ داری ہے، کتنے ایسے لوگ ہیں جو کالجوں میں بھاگ رہے ہیں کہ انگریزوں کا دور چلا گیا، لیکن انگریزی کو چھوڑ گیا اور انگریزی کے جو اثرات ہیں ان کو چھوڑ گیا، اب ان کے اثرات کو اسلامی اثرات میں بدلنا ہے اور جس طرح فارسی کو مسلمان بنایا ہے، ایسے ہی انگریزی کو بھی مسلمان بنانا ہے اور یہ ہوجائے گا کچھ دنوں میں، کیونکہ اسلامی لٹریچر انگریزی میں بہت آرہا ہے، یہاں پر کام کم ہورہا ہے باہر بہت زیادہ ہورہا ہے، ایسا لگتا ہے کہ کچھ دنوں میں انگریزی زبان بھی اسلامی زبان ہوجائے گی، اتنا لٹریچر آرہا ہے، اب ہم لوگ بھی ان کی مدد کریں اور اپنے بچوں کو ان کی جھولی میں جانے سے پہلے بچالیں، کیونکہ اب بھی ان کی دو چیزیں ہیں، نمبر ایک زبان لائے ہیں نمبر دو اپنا کلچر لائے ہیں اور ہوتا یہ ہے کہ جب کسی کا غلبہ ہوتا ہے تو اس کا اثر باقی رہتا ہے اور اس کے ساتھ اس کا کلچر بھی آتا ہے جیسا کہ ایک دور مسلمانوں کا آیا تھا، لوگ اس پر فخر کرتے تھے۔

دجال کی جنت

لیکن آج کے دور میں یہ ہمارے سارے کالج دجال کی جنت بنے ہوئے ہیں، اس کو میں کہا کرتا ہوں دجال کی جنت۔ حدیث شریف میں آتا ہے، جب دجال آئے گا تو اس کے ایک ہاتھ میں جنت ہوگی دوسرے ہاتھ میں جہنم اور اس کی جنت اصلاً جہنم ہوگی اور جو اس کی جہنم ہوگی وہ اصلاً جنت ہوگی اور جو اس کی جہنم میں جائے گا وہ اصلاً جنت کا مزہ پائے گا اور جو اس کی جنت میں جائے گا وہ جہنم کا مزہ چکھے گا، آج بھی ایسا ہی ہے۔ تو جو اس کلچر میں پھنسے ہوئے ہیں جو اصلاً جہنم ہے اور جو اسلامی کلچر میں ہیں لوگ ان کو دیکھ کر ترس رکھاتے ہیں کہ کتنے غریب ہیں، ان کے پاس پیسہ کم ہے، یہ دیکھنے میں معمولی نظر آرہے ہیں اور جو اُپر کلاس کے لوگ ان کے ساتھ ہوٹلوں میں نہیں جانتے Five Star ہوٹلوں میں اپنا فنکشن نہیں کرپاتے تو لوگ ان پر ترس کھاتے ہیں مگر حقیقۃً یہ لوگ ان پر ترس کھاتے ہیں کہ تم عیش وعشرت میں نظر آرہے ہو، لیکن تمہارا دل جہنم زار ہے اور ہم دیکھنے میں تھوڑا پریشان نظر آتے ہیں، لیکن ہمارا دل جنت کا نمونہ ہے، مگر یہ اس وقت ہوگا جب ہم لوگ صحیح اسلام پر ہوں گے، ورنہ

نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے
نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم

یہ بھی ہوجاتا ہے، مگر جو صحیح دین پر ہے وہ بہت خیر میں ہیں، تھوڑی پریشانی تو ہے، لیکن کوئی خاص پریشانی نہیں ہے، تو ایسے میں ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کے کالجوں سے اپنے بچوں کو ہٹالیں اور اپنے کالج اسلامی کلچر کے ساتھ قائم کریں، اس میں شرمانے کی ضرورت نہیں ہے، بالکل پورے انتظام کے ساتھ اپنے کلچر کو لائیں، انگلش زبان میں سائنس آرہی ہے، اس کو صحیح طریقہ سے پڑھا کر اور ان سبھی کو مسلمان بنا کر ان کو کلمہ پڑھا دیا جائے جیسے فلسفہ کو کلمہ پڑھا دیا گیا اور یہ لکھا گیا ہے کہ ہمارے حضرت مولانا عبدالباری ندویؒ کے ہاتھوں فلسفہ مسلمان ہوگیا، جس طرح انھوں نے فلسفہ کو پیش کیا، ایسا لگا کہ گویا یہ ایک اسلامی فن ہے، ایسے ہی یہ سائنس اور یہ سب علوم ہمارے ہیں ان کی بنیاد مسلمانوں نے رکھی ہے، لیکن ہم لوگ اتنے ناآشنا اور اتنے جاہل ہوگئے کہ ہم کو کچھ معلوم ہی نہیں ہے۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے اپنی معرکۃ الآراء کتاب ''عمر خیام'' لکھی اور اس میں انہوں نے اس حقیقت کو واشگاف کیا کہ عمر خیام کیا تھا، جس کے بارے میں یورپ والوں نے بتایا تھے وہ ایک گویا شاعر تھا اور اس کی غزلیات کا یورپ کی چودہ زبانوں میں ترجمہ ہوا، لیکن وہ اصلاً سائنس کا آدمی تھا، جب وہ سائنس پر کام کرتے کرتے تھک جاتا تھا تو لیٹ جاتا اور لیٹے لیٹے اشعار کہتا تھا، طبیعت کو تازہ کرنے کے لیے، تو ظاہر ہے کتنا بڑا آدمی رہا ہوگا، طبیعت کو تازہ کرنے کے لیے جو غزلیں لکھی وہ چودہ زبانوں میں ہیں اور جو اصلاً اس کا کام تھا، وہ سائنس ہے اور جب سائنس کے بارے میں اس کا ذکر کرتے ہیں تو صرف خیام کہتے ہیں، بیچارے مسلمان جانتے ہی نہیں خیام کیا ہے؟ اور جب غزلیات کا ذکر کرتے ہیں تو کہتے ہیں

عمر خیام تا کہ مسلمان جانے کہ وہ ساری زندگی ناچتا اور گاتا رہا، اس کے سوا کوئی کام نہ تھا اور جو اس کا کام تھا وہ سائنس کا تھا اور اس پر لکھا بھی جارہا ہے، وہ سارے علوم ہمارے ہیں اور جو علوم ہمارے ہیں ہم اس کو جس طرح چاہیں گے پڑھائیں گے حدیث میں آتا ہے: " الحكمة ضالة المومن حيث ما وجد فهو أحق بها" حکمت جو ہے وہ مومن کا گمشدہ مال ہے جہاں بھی ہے، وہ ہمارا ہے کھو گیا تھا، ہمارے باپ دادا کا یہ علم ہے، یورپ والوں نے ان کو اپنے ہاتھ میں لے کر خراب کردیا اور اس کو صحیح کرکے جیسے ہمارے پاس تھا اس کو صحیح کرلیں گے اور اس کو آگے بڑھائیں گے، اس کو مارکیٹ میں لائیں گے اور ظاہر ہے کہ مارکیٹ کی چیز ہے اور مارکیٹ میں بکے گا، اس کو مزید کیسے قیمتی بنایا جائے، اور موتی ہے، آپ کو اس میں سوراخ کرنا بھی نہ آیا، آپ نے اس کو خراب کردیا تھا، سوراخ کرنے کا فن ہے، اس میں سوراخ کرنے سے اس کی قیمت بڑھ جاتی ہے، اور اگر یہی علوم اسلامی Concept اور اسلامی کلچر کے تحت پڑھائے جائیں تو اس کا فائدہ اتنا پہنچے گا کہ پوری دنیا مالا مال ہوجائے گی، لیکن افسوس یہ ہے کہ اس وقت میڈیکل سائنس ہے، اس کے سرپرست اعلیٰ یورپ والے ہیں تو انہوں نے کہا میڈیکل سائنس کو پڑھنے سے آپ کی دونوں جیبیں بھر جاتی ہیں اور بینک بیلنس بہت ہوجاتا ہے، انہوں نے یہ سمجھا دیا اور پڑھنے کے لیے خوب خرچ کروایا اور آج پڑھ کر آئے تو ان کو لوٹنا سکھایا کہ غریبوں کو لوٹو اور ان کا خون چوسو، جس طرح تمہاری جیبیں ہم نے کاٹی ہیں اور تمہاری دولت ہم نے لوٹی ہے اسی طرح تم ان سے لوٹو۔

لیکن اگر مسلمان ہوتے تو ان کو بتاتے کہ تمہارا بینک بیلنس خدا کے یہاں بہت ہوجائے گا، اس لیے کہ انسان کی خدمت بہت بڑا کام اور انسانیت کو فائدہ پہونچانے والا ہے، اور اللہ تعالیٰ اس کو تمہاری برکت کا ذریعہ بنادے گا جو تم نے صحیح پیسہ لیا ہے تمہاری زندگی اچھی ہوجائے گی اور نہ جانے کتنوں کی زندگی اچھی ہوجائے گی، تو ایسے ہی سارے علوم ہیں اور ان سارے علوم پر اگر سرپرستی ہماری ہو تو سارے علوم چمک جائیں گے اور انسانیت کی خدمت میں وہ لگ جائیں گے اور ساری انسانیت کو راحت پہنچے گی، اس لئے ہماری ذمہ داری ہے جو اللہ نے ہمیں قوت دی ہے، چاہے علم کی قوت ہو چاہے مال کی قوت ہو، ان دونوں کو لگا کر آپ پوری انسانیت کی خدمت کے لئے تیار کریں، سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو امین بنایا ہے ان قوتوں کا، یعنی جس کو ذہین بنایا ہے وہ ذہن لگائے اور جسکو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہے وہ مال لگائے، اور دونوں اگر مل جائیں نہ جانے کتنے اچھے نتائج سامنے آئیں، اور اس کے لئے نہ جانے کتنی کوششیں سامنے آرہی ہیں، بھوپال میں بھی میں چاہتا ہوں کہ اسی سطح پر کام ہوتا کہ وہ لوگ جو اپنے کو فرسٹ کلاس والے لوگ کہتے ہیں پیسے کی وجہ سے، وہ بھی جنت کے راستے پر پڑیں، ورنہ بعض دفعہ افسوس ہوتا ہے کہ غریبوں کے بچے خواہی نہ خواہی مجبوراً جنت کے راستہ پر ہیں اور جو بڑے گھرانے کے لوگ بڑے حسب ونسب والے لوگ ہیں وہ جان بوجھ کر جہنم کے راستے پر ہیں، یہ کیا معاملہ ہے، اتنی خطرناک بات ہے کہ آدمی سوچے تو ہل جائے، اسی وجہ سے میں نے جا کر کہا کہ یہ بچے خود بھی مدرسوں میں جا کر پڑھنا نہیں چاہتے ہیں، زبردستی کھینچ کھانچ کر ان کے ابا کے پاس پیسہ نہیں ہے تو ان کو مدرسہ میں جا کر داخل کردو، مجبوراً ان کو جنت کے راستے پر ڈال دیا گیا اور جن کے پاس بہت پیسہ ہے، ان کے بچے بجھ بوجھ کر جہنم والے راستے پر ہیں۔

ابھی ایک بڑی یونیورسٹی جانا ہوا تو کچھ پروفیسر لوگ بیٹھے تھے، ہاتھرس کی بات ہورہی تھی کہ وہاں بڑے لوگ مرتد ہورہے ہیں، وہاں پر دین کا کام ہونا چاہیے، میں نے کہا وہ بیچارے غریب لوگ ان کی آپ کو بہت فکر ہے اور کتنے پروفیسر یہاں مرتد اور جہنم کے راستے پر ہیں، ان کی کسی کو فکر نہیں ہے، ان کی بھی فکر ہونی چاہیے، جو مرتد ہیں ملحد ہیں اور جہنم کے راستے پر ہیں ان کی فکر نہیں ہے، اس لیے کہ ان کے پاس بہت پیسہ ہے اور بہت شاندار کوٹھیوں میں رہتے ہیں اور بڑے بڑے ہوٹلوں میں فنکشن کرتے ہیں، محض اسی سے وہ جنت کے راستے پر نہ پہنچ جائیں گے، یہ تو فرعونی بات ہوئی جس طرح فرعون نے کہا تھا: ﴿هَٰذِهِ الْأَنْهَارُ تَجْرِي مِن تَحْتِي ۖ أَفَلَا تُبْصِرُونَ﴾. جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا: میاں! کیا تم نے لوگوں کو غلط راستے پر بہکا کے ڈال رکھا ہے؟ تو فرعون نے یہی کہا تھا کہ یہ کوٹھیاں، یہ محل، یہ باغات، یہ نہریں ہونے کے باوجود بھی تم مجھے ایسا الزام دیتے ہو، یہ سب کچھ میرے پاس تو ہے اور یہ سب اس بات کی علامت ہے کہ میں جنت میں سب سے اونچے مقام پر ہوں گا، یہ دھوکا ہے، بہت بڑا اور یہ فرعونی سوچ ہے، ضرورت اس کی ہے کہ ہم اپنے آپ کو اس بات کے لئے تیار کریں اور ایک جٹ ہوکر یہ کام کریں، تو نہ جانے کتنے بچے جنت کے راستے پر آجائیں گے اور اللہ تعالیٰ ہم کو کامیاب کرے گا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح سمجھ عطا فرمائے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

☆☆☆☆☆

اسوۂ صحابہ

نرم دم گفتگو گرم دم جستجو

مولانا خالد ندوی غازی پوری

حضرت براءؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ انصاری صحابہ کرامؓ کو ابورافع نامی ایک یہودی کے قتل پر مامور کیا جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑی تکلیفیں دیا کرتا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہر قسم کی سرگرمی اور مہم میں دامے، درمے، سخنے شریک رہا کرتا تھا، اس وقت وہ حجاز میں اپنے پرشکوہ قلعہ میں مقیم تھا، صحابہ کرامؓ کی یہ جماعت جس کے امیر حضرت عبداللہ بن عتیکؓ تھے جب قلعہ کے نزدیک پہونچی تو اس وقت سورج غروب ہو چکا تھا، اور لوگ اپنے مویشیوں کو لے کر گھر واپس جا چکے تھے، حضرت عبداللہؓ نے فرمایا: تم لوگ یہیں بیٹھے رہو میں جا کر کسی تدبیر سے اندر جانے کی کوشش کرتا ہوں، حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا اور کچھ لوگ ایک گدھے کو جو کہیں کھو گیا تھا، تلاش کرنے کے لیے نکلے، جب وہ لوگ اندر جانے لگے، میں وہیں چہرہ پر ڈھاٹا باندھ کر قضائے حاجت کے لیے بیٹھ گیا، دربان نے یہ سمجھ کر کہ یہ بھی قلعہ کے اندر کا آدمی ہے، مجھے پکارا کہ اے اللہ کے بندہ! جلدی کرو، میں دروازہ بند کرنے جا رہا ہوں، لہٰذا میں جلدی سے فارغ ہو کے قلعہ کے اندر آیا اور ایک طرف چھپ کر بیٹھ گیا، جب سب لوگ اندر آ گئے تو اس نے دروازہ بند کر کے چابیاں ایک طاقچہ میں رکھ دیں، اس کے جانے کے بعد میں نے وہاں سے چابیاں اٹھا کر دروازہ کھول دیا، اس وقت ابورافع بالائی منزل میں اپنے مصاحبوں کے ساتھ بیٹھا خوش گپیوں میں مصروف تھا، جب اس کی مجلس برخاست ہوئی اور سب لوگ اٹھ کر اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے تو میں اوپر چڑھا، راستہ میں جتنے دروازوں سے میرا گذر ہوا، سب کو اندر سے بند کرتا گیا تاکہ اگر ان لوگوں کو اطلاع بھی ہو جائے تب بھی وہ ابورافع کے قتل سے پہلے مجھ تک نہ پہونچ سکیں، کئی دروازوں سے گزر کر میں ابورافع تک پہنچ گیا، وہ اپنے اہل وعیال کے ساتھ ایک تاریک کمرہ میں بیٹھا ہوا تھا، تاریکی کی وجہ سے مجھے معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کس طرف ہے، لہٰذا میں نے اسے آواز دی، وہ سن کر چونک پڑا اور پوچھا کون ہے؟ میں تیزی سے آواز کی طرف لپکا اور حواس باختگی کے عالم میں اس پر تلوار کا ایک زوردار وار کیا، جس سے اسے کوئی خاص نقصان نہیں پہنچا، بس اس کی زبان سے ایک چیخ نکلی، میں فوراً باہر نکل آیا۔

پھر تھوڑی دیر بعد پھر اندر پہونچا اور آواز بدل کر پوچھا ابورافع کیا ہوا، یہ آواز کیسی تھی؟ اس نے کہا: ارے تمہارا برا ہو، گھر کے اندر کوئی آدمی ہے، جس نے مجھ پر تلوار سے وار کیا ہے، میں نے پھر ایک زوردار وار کیا، جس نے اسے ڈھیر کر دیا، لیکن یہ وار بھی پوری طرح کامیاب نہیں ہوا، اس کے منھ سے پھر ایک دہلا دینے والی چیخ نکلی جسے سن کر اس کے گھر والے اٹھ گئے، میں نے پھر وہی طریقہ اختیار کیا کہ کچھ دیر باہر کھڑا ہو کر اندر آیا اور آواز بدل کر اس کی خیریت دریافت کی گویا مدد کے لیے آیا ہوں، میں نے دیکھا کہ وہ پیٹھ کے بل سیدھا زمین پر پڑا ہے، یہ دیکھ کر میں نے تلوار اس کے پیٹ پر رکھ اس زور سے اسے دبایا کہ ہڈیوں کے ٹوٹنے کی آواز آنے لگی، میں سمجھ گیا کہ کام ہو چکا، گھبرایا ہوا واپس آیا، جب سیڑھی کے پاس پہونچا تو پیر پھسل گیا اور میں نیچے آ گرا جس سے میرا پیر ٹوٹ گیا، میں نے اپنا عمامہ کھول کر پیر پر باندھ لیا اور لنگڑاتا ہوا اپنے ساتھیوں کے پاس پہونچا اور کہا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش خبری دو، میں اس کی موت کا اعلان ہونے تک یہیں رہوں گا، جب صبح ہوئی تو قلعہ کی فصیل پر کھڑے ہو کر ایک شخص نے اس کی موت کا اعلان کیا، میں یہ اعلان سن کر فوراً دوڑا دوڑا اپنے ساتھیوں کے پاس پہونچا اور انہیں بتایا کہ الحمد للہ! اللہ نے اس ظالم کو ہلاک کر دیا، پھر ہم لوگ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پھر آپ کو پورا واقعہ سنایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اپنا پیر پھیلاؤ، میں نے اپنا پیر پھیلا دیا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اپنا دست مبارک پھیرا تو وہ ایسا اچھا ہو گیا جیسے کبھی کوئی چوٹ ہی نہ لگی ہو۔ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔ [بخاری: ۷/۳۴۰-۳۴۲]

درج بالا واقعہ سے مستفاد فوائد ونتائج

☆ یہودی بڑے بزدل اور ڈرپوک ہوتے ہیں، ہمیشہ قلعوں میں مکمل حفاظتی انتظامات کے ساتھ رہتے ہیں۔

☆ صحابہ کرامؓ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر حکم کی تعمیل کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے۔

☆ احتیاط اور چوکسی کسی بھی مہم کی انجام دہی میں بڑی مفید ہے۔

☆ اظہار ہمدردی سے لوگوں کے دلوں کو جیتا جا سکتا ہے۔

☆ مشرکین کے خلاف مقابلہ آرائی میں شدت و سنگدلی کا مظاہرہ کیا جا سکتا ہے۔

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

☆ مصلحتاً غیر مفہوم اور گول مول بات کی جا سکتی ہے۔

☆ اگر ہمت وحوصلہ اور دانائی وبینائی کے ساتھ کام کیا جائے تو تھوڑے سے مسلمان کفار کی بڑی تعداد کو شکست دے سکتے ہیں۔

☆ کسی دلیل اور قرینہ کی بنیاد ہی پر فیصلہ کرنا چاہیے جیسا کہ حضرت عبداللہ ابن عتیک نے ابورافع کی موت کے اعلان پر ہی اس کے مرنے کا یقین کیا۔

☆ معاہدہ اور صلح کر کے دارالاسلام میں رہنے والے کافر کو عہد شکنی پر قتل کیا جا سکتا ہے۔

☆ دشمنوں کے خلاف جاسوسی کرنا اور موقع پا کر انہیں قتل کر دینا جائز ہے۔

☆☆☆☆☆

عربی زبان پر قدرت

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

عربی زبان اس وقت ایک زندہ اور طاقتور زبان ہے، عرب ملکوں میں وہ اپنے پورے عروج اور شباب پر ہے، وہ تصنیف وتالیف، خطابت وتقریر، سیاست وصحافت، علم وفلسفہ اور دستور وقانون کی زبان ہے، وہ پورے طور پر نکھر گئی ہے، ہمارے عربی مدارس میں ایک غلط فہمی یہ پھیلی ہوئی ہے کہ قدیم عربی زبان تفسیر وحدیث وفقہ میں محدود ہے اور وہ کہیں پائی نہیں جاتی، عربی کے نام سے بالکل ایک جدید زبان ایجاد ہو گئی ہے، جس میں زیادہ تر انگریزی وفرانسیسی کے معرب یا دخیل الفاظ ہیں، اس غلط فہمی نے ہمارے بہت سے علماء اور نوجوانوں کو عربی سے متوحش اور مایوس بنا دیا ہے، آپ اگر مجھ پر اعتماد کر سکیں تو میں پورے وثوق کے ساتھ عرض کروں گا کہ جدید عربی کا کہیں وجود نہیں، اس وقت جو زبان اہل علم اور اہل قلم شرق اوسط میں استعمال کرتے ہیں وہ قرآن وحدیث اور جاہلیت واسلام کی زبان سے زیادہ سے زیادہ قریب ہے، نئی ضرورتوں کے لئے بھی انھوں نے عربی کے قدیم ذخیرہ اور قرآن وحدیث سے الفاظ نکال لیے ہیں، اس سلسلہ میں انھوں نے جو کام انجام دیا ہے وہ حیرت انگیز بھی ہے اور قابل داد بھی، مصر پر نپولین کے حملہ کے بعد سے جو مغربی الفاظ عربی زبان میں داخل ہو گئے تھے وہ ایک ایک کر کے بے دخل کیے گئے اور ان کی جگہ پر خالص عربی الفاظ رکھے گئے، اس وقت ان ملکوں کا لسانی اور ادبی معیار اتنا بلند ہو گیا ہے اور صحافت واشاعت نے عربی کے خزانۂ عامرہ کے نوادر کو ایسا وقف عام کر دیا ہے کہ اب عربی میں کام کرنے کے لیے بڑی تیاری اور بڑی جدوجہد کی ضرورت ہے، ہمارے مدراس میں جس انداز پر عربی زبان وادب کی تعلیم ہو رہی ہے، اس کے ساتھ ان ملکوں میں کوئی علمی خدمت یا دعوتی کام ناممکن ہے، اگر آپ کو عربی دنیا میں دین کی دعوت وتبلیغ کا کام انجام دینا ہے یا ہندوستان کی دینی وعلمی تحریکات کا تعارف کرانا ہے تو اس کے لیے بڑے پیانے پر تیاری کی ضرورت ہوگی، اب ہندوستان ان ملکوں سے الگ نہیں رہ سکتا، دنیا کی سیاست میں شرق اوسط کو خاص اہمیت حاصل ہے اور یہ اہمیت بڑھتی جائے گی، ہر ایک مسلمان کے نقطۂ نظر سے وہ اب بھی عالم کا قلب اور مرکز اعصاب ہے، اگر شرق اوسط سے ربط قائم کرنے اور دین اور مسلمانوں کی صحیح نمائندگی کرنے کے کام سے علماء نے گریز کیا تو یہ نہ ان کے حق میں اچھا ہوگا نہ اس ملک کے حق میں، اس لیے اس پہلو کی طرف بھی ہمارے مدارس میں خصوصی توجہ کی ضرورت ہے، زبان وادب زندہ اور متحرک چیزیں ہیں، کچھ مدت کے لیے بھی اگر کوئی ادارہ یا فرد ان سے بچھڑ جائے تو اس کو اس کا نقصان مدتوں برداشت کرنا پڑے گا۔

☆☆☆☆☆

فقہ و فتاویٰ

سوال و جواب

مفتی محمد ظفر عالم ندوی

سوال: ایک شخص نے رہائشی مکان کے علاوہ ایک دوسرا مکان اس مقصد سے خریدا ہے کہ اس سے کرایہ حاصل کیا جائے، اس مکان میں ایک اسکول کرایہ پر چل رہا ہے، کیا اس مکان پر زکوۃ واجب ہے؟ اگر زکوۃ واجب ہے تو اس کی ادائیگی کس طرح ہوگی؟

جواب: مکان پر اس وقت زکوۃ واجب ہوتی ہے جب مکان تجارتی مقصد سے خریدا گیا ہو لیکن اگر مکان ضرورت سے زیادہ ہو اور تجارتی مقصد نہ ہو بلکہ کرایہ پر لگانا یا کسی اور کام میں استعمال کرنا ہو تو اس میں زکوۃ واجب نہیں۔ (ردالمحتار:۳/۱۷۹)

سوال: ایک شخص کے پاس کچھ بسیں ہیں جو کرایہ پر چلتی ہیں، سوال یہ ہے کہ ان بسوں کی مالیت پر زکوۃ واجب ہے یا کرایہ پر؟

جواب: بسوں یا ان کی مالیت پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی کیونکہ کسب معاش کے جو آلات ہیں ان پر زکوۃ واجب نہیں ہے، فقہاء نے صراحت کی ہے: "اسی طرح حرفت اور پیشہ کے آلات پر بھی زکوۃ نہیں ہے"۔ (ردالمحتار ۳/۱۸۳) البتہ ان بسوں سے جو کرایہ حاصل ہو اگر وہ بقدر نصاب ہو اور اس پر سال گزر جائے تو اس پر زکوۃ واجب ہوگی۔ (فتاویٰ ہندیہ:۱/۱۶۷)

سوال: کیا زکوۃ واجب ہونے کے لیے سال گزرنے کی جو شرط لگائی جاتی ہے کیا ہر طرح کے مال میں یہ شرط ہے یا بعض میں، قدرے وضاحت اور تفصیل سے بتائیں۔

جواب: زرعی پیداوار اور پھل میں سال گزرنے کی شرط نہیں ہے بلکہ جیسے ہی فصل کٹے اور پھل توڑے جائیں اسی وقت عشر نکالنا واجب ہے، ان کے علاوہ سونے چاندی، نقد رقم اور سامان تجارت وغیرہ میں صاحب نصاب ہونے کے بعد اس مال پر سال گزرنا شرط ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ:۱/۱۷۳)

سوال: ایک شخص نے اپنے گھر کے زیورات رہن پر رکھ دیے ہیں، دو سال گزر چکے ہیں، کیا ان زیورات پر زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

جواب: رہن رکھی ہوئی چیزوں پر زکوۃ نہیں ہے کیونکہ زکوۃ واجب ہونے کے لیے ضروری ہے کہ مال زکوۃ مکمل طور پر اس کی ملکیت میں ہو، رہن پر رکھی ہوئی چیزیں مکمل طور پر ملکیت نہیں ہوتی ہیں اس لیے ان پر زکوۃ نہیں ہے۔ (فتح القدیر:۲/۲۲۱، فتاویٰ ہندیہ:۱/۱۷۲)

سوال: جو رقم بینک میں فکس ڈپازٹ کے طور پر جمع ہو، کیا اس پر زکوۃ واجب ہوگی؟

جواب: پہلی بات تو یہ ہے کہ فکس ڈپازٹ شرعاً جائز نہیں ہے، تاہم اگر کسی نے رقم بینک میں فکس ڈپازٹ کر دیا ہے تو اس پر زکوۃ واجب ہوگی، کیونکہ اس کی حیثیت امانت کی ہوتی ہے اور امانت والی رقم پر زکوۃ واجب ہوتی ہے۔ (فتح القدیر:۲/۲۲۱)

سوال: مالک مکان ودکان کے پاس بطور ضمانت جو رقم پیشگی جمع رہتی ہے کیا اس پر زکوۃ واجب ہے یا نہیں؟ اگر زکوۃ ہے تو مالک مکان پر یا کرایہ دار پر؟

جواب: مالک مکان یا مالک دوکان کے پاس جو رقم کرایہ دار کی رہتی ہے، اس کی حیثیت رہن کی ہے، اور رہن پر زکوۃ واجب نہیں، اس لیے اس کی زکوۃ نہ مالک مکان پر ہے اور نہ کرایہ دار پر۔ (دیکھیے: فتح القدیر:۱/۱۶۴)

سوال: پراویڈنٹ فنڈ کی رقم جو ابھی حاصل نہ ہوئی ہو سرکار یا کمپنی ہی کے قبضہ میں ہو کیا اس پر زکوۃ واجب ہے؟ اور جب رقم مل جائے تو کیا پچھلے سالوں کی بھی زکوۃ ادا کرنی ہوگی؟ رقم ملنے کے بعد زکوۃ واجب ہونے کے لیے کیا اس پر سال گزرنا ضروری ہے یا ملتے ہی زکوۃ واجب ہوگی؟ وضاحت کے ساتھ بتائیں۔

جواب: پراویڈنٹ فنڈ کی رقم جو ابھی حاصل نہ ہوئی ہو، ملک تام نہ ہونے کی وجہ سے اس پر زکوۃ نہیں ہے، البتہ یہ رقم جب حاصل ہو جائے گی اس کے بعد سال گزرنے کے بعد زکوۃ واجب ہوگی۔ یہ زکوۃ رقم حاصل ہونے کے بعد ہی کے سالوں کی واجب ہوگی، پچھلے برسوں (جبکہ رقم سرکار کے یا کمپنی کی ملک اور قبضہ میں رہی ہو) کی زکوۃ نہیں دینی ہوگی)۔ (ردالمحتار:۳/۱۷۱،۱۷۲)

سوال: جو لوگ اپنے گھروں میں کمپیوٹر، انٹرنیٹ، اور ٹی وی وغیرہ رکھتے ہیں، کیا ان پر زکوۃ واجب ہوتی ہے؟

جواب: کمپیوٹر اور دیگر آلات اگر اپنی ضروریات اور استعمال کے لیے ہیں، تجارت کے لیے نہیں تو ان پر زکوۃ واجب نہیں ہوتی ہے۔ (ملاحظہ ہو: بدائع الصنائع:۲/۹۵)

☆☆☆☆☆

ایک جائزہ

تیسری قسط

تہذیب جدید اور اس کے اثرات

محمد وثیق ندوی

موجودہ تہذیب

الغرض مذکورہ بالا اثرات کی بنا پر مغربی تہذیب وتمدن کا رخ ایک مکمل اور وسیع مادیت کی طرف ہو گیا، خیالات، نقطۂ نظر، نفسیات وذہنیت، اخلاق و اجتماع، علم وادب، حکومت وسیاست، غرض زندگی کے تمام شعبوں میں مادیت غالب آتی چلی گئی، اور پھر عمل ورد عمل کے نتیجہ میں معاصی اور جرائم کو خوش نما اور دلفریب بنا کر پیش کیا جانے لگا، طبیعتوں کو ہر قید وبند، فرد کو ہر ذمہ داری وجواب دہی سے آزاد ہونے کی اور مطلق آزادی وبے قیدی کی کھلی تبلیغ کی جانے لگی، زندگی سے پورے پورے تمتع، مطالبات نفس کی پوری تکمیل اور لذت پرستی کی علانیہ دعوت دی جانے لگی اور اس زندگی کی قیمت میں بڑے غلو اور مبالغہ سے کام لیا جانے لگا، نقد لذت اور ظاہر ومحسوس مادی نفع کے سوا ہر چیز کا انکار وتحقیر کی جانے لگی، یہاں تک کہ انیسویں اور بیسویں صدی کی مغربی زندگی بت پرست یونان اور روما کی جاہلی زندگی کا مرقع بن گئی، تہذیب جدید گویا اس کا نیا ایڈیشن ہے جو انیسویں صدی میں نئے اہتمام وانتظام کے ساتھ تیار کیا گیا، آج کی مغربی قومیں انہی یونانی، رومی اور مغربی اقوام کی جائز وارث اور خلف الرشید ہیں، موجودہ مغربی تہذیب اور قدیم یونانی اور رومی تہذیب میں قریبی مماثلت پائی جاتی ہے، یورپ کی موجودہ مذہبی زندگی بھی روحانیت اور باطنی کیفیت سے اسی طرح عاری ہے جیسے یونانیوں اور رومیوں کی مذہبیت تھی، اسی طرح زندگی کی ہوس، لذت طلبی، ذواقی اور دنیا میں شوق گل چینی کی بھی بعینہ وہی کیفیت ہے جو سقراط نے اپنے زمانہ کے جمہوری نوجوان کی بیان کی ہے۔ [المخططات العالمیة لمکافحة الإسلام، از: محمد محمود صواف]

اہل مغرب نے رومیوں اور یونانیوں سے یہ نظریہ بھی لیا کہ یہی صرف تہذیب یافتہ اور متمدن ہیں، اور باقی دوسرے سب غیر متمدن اور ان کے لیے اجنبی ہیں، خاص طور پر وہ لوگ جو بحر متوسط کے مشرق میں بستے ہیں، وہ اہل مغرب کی نظر میں بالکل غیر مہذب ہیں، اور رومی ویونانی فکر کے اثر سے اہل یورپ میں یہ خیال راسخ ہو گیا ہے کہ انہیں تمام انسانوں پر نسلی تفوق اور برتری حاصل ہے اور غیر یورپین سے نفرت اور حقارت مغربی تہذیب کی پہچان بن گئی ہے۔

مادہ پرستی

حقیقت یہ ہے کہ یورپ کا موجودہ مذہب وتمدن جس کی دلوں اور روح پر حکومت ہے، وہ عیسائیت نہیں؛ بلکہ مادہ پرستی ہے، مغربی نفسیات اور مغربی زندگی سے اس کی قدم قدم پر تصدیق ہوتی ہے۔ محمد اسد نے لکھا ہے کہ: "یورپ کا عام اور متوسط آدمی؛ وہ جمہوری ہو یا فاشسٹ، سرمایہ دار ہو یا اشتراکی، ہاتھ سے کام کرنے والا ہو یا دماغی محنت کرنے والا، وہ ایک ہی مذہب جانتا ہے، وہ کیا؟ مادی ترقی کی پرستش اور یہ عقیدہ کہ اس دنیاوی زندگی کی غرض وغایت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اس کو زیادہ سے زیادہ آسان اور پر راحت اور آزاد اور بے مہار بنا دیا جائے"۔

زرپرستی

پروفیسر جوڈ نے اپنی کتاب Philosophy For Our Times میں لکھا ہے کہ: "صدیوں سے انگلستان کے تخیل پر زر پرستی و دولت اندوزی کا اصول غالب ہے، اور تمام ذرائع سے یہی تعلیم دی جا رہی ہے کہ مہذب قوم وہی ہے جس میں جذبۂ حصول انتہائی طور پر ترقی کر چکا ہو، واقعہ یہ ہے کہ ہم ہٹلر کے پکے مقلد ہیں، ہم دولت کے دلدادہ ہیں، ہم لذت اندوزی کے رسیا ہیں، اور ہم "میکالی" کے نظریۂ "لذتیت" اور "مارکس" کے اصول "معیشت" پر سختی سے کاربند ہیں"۔ [ریاست، از: افلاطون، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، از: مولانا سید ابوالحسن حسنی علی ندویؒ، ص/۲۰۱]

ڈاکٹر الیکسس کیرل [Alexis carrel 1873-1944] نے اپنی کتاب "انسان نامعلوم" [The Man Unknown] میں لکھا ہے:-

"موجودہ زندگی انسان کو ترغیب دیتی ہے کہ وہ دولت کو ہر ممکن ذریعہ سے حاصل کرے؛ لیکن یہ ذرائع انسان کو دولت کے مقصد تک نہیں پہنچاتے، یہ انسان میں ایک دائمی ہیجان اور جنسی خواہشات کی تسکین کا ایک سطحی جذبہ پیدا کرتے ہیں، ان کے اثر سے انسان صبر وضبط سے خالی ہو جاتا ہے، اور ہر ایسے کام سے گریز کرنے لگتا ہے جو ذرا دشوار اور صبر آزما ہو، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تہذیب جدید ایسے انسان پیدا ہی نہیں کر سکتی جن میں فنی تخلیق، ذکاوت اور جرأت ہو، ہر ملک کے صاحب اقتدار طبقہ میں جس کے ہاتھ میں ملک کی باگ ڈور ہے، ذہنی اور اخلاقی قابلیت میں نمایاں انحطاط نظر آتا ہے، ہم محسوس کر رہے ہیں کہ تہذیب جدید نے ان بڑی بڑی امیدوں کو پورا نہیں کیا جو انسانیت نے اس

سے وابستہ کی تھیں اور وہ ان لوگوں کو پیدا کرنے میں ناکام رہی جو ذہانت اور جرأت کے مالک ہوں اور تہذیب کو اس دشوار گزار راستہ پر سلامتی کے ساتھ لے جاسکیں جس پر آج وہ ٹھوکریں کھارہی ہے"۔ [انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، از: مولانا سید ابوالحسن حسنی علی ندویؒ، ص/۲۶۶]

اس مادہ پرست تہذیب کے نتیجہ میں خدا فراموشی وخود فراموشی اور روحانیت میں مادیت عام ہوگئی، مذہبی حاسہ ختم ہوگیا، ذوق خدا طلبی معدوم ہوگیا، خدا طلبی کے بجائے دنیا طلبی کا غلبہ ہوگیا، اخلاقیات کا جنازہ نکل گیا اور پست ہمتی اور تن آسانی، رعونت اور غرور وتکبر عام ہوگیا۔

مذہب بیزار تہذیب

تہذیب جدید میں اخلاق کا پیمانہ یکسر بدل گیا، اس لیے کہ اخلاق کا سرچشمہ مذہب ہے، اور مغربی تہذیب وتمدن میں مذہب کا کوئی گزر نہیں، اس میں اخلاق کا پیمانہ مفاد پرستی ہے، جب تک مفاد وابستہ رہتا ہے اخلاق برتا جاتا ہے، اور جیسے ہی مفاد پورا ہوا برتاؤ بدل جاتا ہے، پندرہویں صدی عیسوی میں میکالی نے اپنا نظریہ پیش کیا کہ: "مقاصد ذرائع کو جائز بنادیتے ہیں"۔ شروع میں یہ نظریہ سیاست کے میدان میں اختیار کیا گیا اور پھر اہل مغرب کی زندگی کے تمام شعبوں میں چھا گیا۔

اس کے بعد سرمایہ دارانہ نظام نے رہی سہی کسر پوری کردی، سرمایہ داروں کی سیاست یہ ہے کہ انسانی معاشرہ میں اخلاقی زوال، عیش پرستی، فیشن پرستی اور نت نئے تکلفات کو رواج دیا جائے تاکہ جنسی عیاشی کے مختلف ساز وسامان، آسائشیں اور لذتیں رواج پاسکیں اور ان پر کوئی مذہبی اور اخلاقی قید باقی نہ رہے۔ عریاں فلمیں، ہیجان انگیز رقص گاہیں، بے حیائی سے پر صحافت، شراب اور نشہ آور ادویہ، سامان عیش وزینت، معاشرہ کی عریانی، کلب اور انجمنیں...... غرض بے حیائی اور عیاشی کے وہ تمام مظاہر جن پر موجودہ دور کی سینکڑوں صنعتیں قائم ہیں، سب کی سب سرمایہ داری کی خدمت میں لگی ہوئی ہیں، ان تمام صنعتوں کی تائید اور حمایت کے لیے سرمایہ داری مختلف فلسفوں اور نظریات کا سہارا لیتی ہے، اور اساتذہ، ادباء، فنکاروں، قانون دانوں اور حکومتی نظاموں کو ان کی تائید وتوثیق پر لگادیتی ہے۔ اس طرح معیشت بھی مذہب سے جدا ہوگئی، جس طرح اخلاق مذہب سے پہلے ہی جدا ہوگیا تھا۔ اس کے بعد مغربی فلاسفہ کے نظریات کے اثر سے جنسی عفت وپاکیزگی کا تصور بھی عنقا ہوگیا اور عورت دل بستگی اور جنسی خواہشات کی تکمیل کا ایک سامان بن کر رہ گئی۔ [جاهلية القرن العشرين، از: محمد قطب، ص/۱۵۷]

امریکی فلسفی ول ڈیورانٹ (Will Durant) کہتا ہے کہ: "مغرب میں شادی (نکاح) کی کوئی معنویت نہیں، اس لیے کہ اہل مغرب کے نزدیک شادی محض ایک جسمانی تعلق کا نام ہے، اس کا ماں اور باپ کے رشتہ سے کوئی تعلق نہیں"۔ [ایضا، ص: ۱۴۰] اسی لیے مغربی معاشرہ میں شوہر اور بیوی کے درمیان جذباتی اور وجدانی تعلق مفقود ہے، اور گھر ایک ہوٹل کے مانند ہے، جس میں ایک مرد اور عورت زوجیت کا پیشہ انجام دیتے ہیں، جس طرح ایک ملازم جوش کے ساتھ اپنا کام انجام دیتا ہے، ظاہر ہے کہ اس طرح کے گھروں میں بچے والدین کی محبت وشفقت سے محروم ہوجاتے ہیں۔

اباحیت مطلقہ

انیسویں صدی میں ڈارون، فرائڈ اور مارکس نے اپنی تمام تر توجہات اس امر پر مرکوز کردیں کہ انسان کی تحقیر کی جائے، چنانچہ ڈارون نے انسان کو حیوان مطلق بتایا، فرائڈ نے اسے جنس کی گندگیوں میں دھکیلا اور کارل مارکس نے انسان کو مادہ اور اقتصادی عوامل کے سامنے سرنگوں کردیا، ان نظریات نے نہ صرف تصور انسان پر اثر ڈالا؛ بلکہ عورت اور صنفی تعلقات کے بارے میں صحیح تعلقات کو بھی ملیامیٹ کردیا، اخلاق کی بنیادیں متزلزل کردیں، اور مرد وزن کو شہوت رانی اور لذت پرستی کے دلدل میں ڈالدیا۔

مغرب میں اباحیت اور جنسی بے راہ روی کے اسباب میں جنسی اور غیر اخلاقی جذبات بھڑکانے والے ذرائع، اقتصادی حالات جن کی وجہ سے عورت دفاتر، کالج، اسکول اور بازاروں میں کام کرنے پر مجبور ہے، شادی میں تاخیر، ہیجان انگیز صحافت اور دیگر ذرائع ابلاغ، قانونی اور غیر قانونی عیاشی اور فحاشی کے اڈے، مانع حمل ادویہ کی ایجاد اور ان کا فروغ، منشیات، فحش لٹریچر، عریاں فلمیں، تصاویر، اشتہارات اور عریاں کلب اور اخلاق سوز نظریات ہیں۔

سید قطب شہیدؒ نے اپنی کتاب "الاسلام ومشكلات الحضارة الغربية" میں ایک امریکن رسالہ کے حوالہ سے ان اسباب کو جن کی وجہ سے امریکہ اور یورپ میں بداخلاقی کی غیر معمولی اشاعت ہورہی ہے، اس طرح بیان کیا ہے:

"تین شیطانی قوتیں ہیں، جن کی تثلیث آج ہماری دنیا پر چھاگئی ہے، اور یہ تینوں قوتیں جو ایک جہنم تیار کرنے میں مشغول ہیں، فحش ہیں (۱) فحش لٹریچر جو جنگ عظیم کے بعد سے حیرت انگیز رفتار کے ساتھ اپنی بے شرمی اور کثرت اشاعت میں بڑھتا چلا جارہا ہے (۲) متحرک تصویریں (سنیما) جو شہوانی محبت کے جذبات کو نہ صرف بھڑکاتی ہیں؛ بلکہ عملی سبق بھی دیتی ہیں (۳) عورتوں کا گرا ہوا اخلاقی معیار جو ان کے لباس اور بسا وقات ان کی برہنگی اور سگریٹ کے روز افزوں استعمال اور مردوں کے ساتھ ان کے ہر قید وامتیاز سے ناآشنا اختلاط کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہ تین چیزیں ہمارے ہاں بڑھتی چلی جارہی ہیں اور ان کا نتیجہ مسیحی تہذیب اور معاشرت کا زوال اور آخر کار تباہی ہے، اگر ان کو نہ روکا گیا تو ہماری تاریخ بھی روم اور دوسری قوموں کے مماثل ہوگی جن کو یہی نفس پرستی اور شہوانیت ان کی شراب اور عورتوں اور ناچ رنگ سمیت فنا کے گھاٹ اتار چکی ہے"۔

اور اب موجودہ دور میں انٹرنٹ، موبائیل، سوشل میڈیا اور دیگر جدید ذرائع ابلاغ نے اس مصیبت میں اور اضافہ کردیا ہے۔

موسیٰ صبری نے سویڈش یونیورسٹی کے ایک استاد کے حوالہ سے مصری اخبار "اخبار الیوم" میں لکھا ہے کہ: "ہم (سویڈش) اپنے لڑکے اور لڑکیوں کو کم عمری ہی میں جب وہ ثانوی اسکولوں میں تعلیم حاصل کررہے ہوتے ہیں، انہیں واضح طور پر جنسی تعلیم دیتے ہیں، اس لیے ہمارے یہاں کوئی جنسی مشکل نہیں، لذت جنس بھی لذت طعام اور لذت خوش پوشی کی طرح ایک لذت ہے، مرد وزن میں شادی سے قبل ہی صنفی تعلق قائم ہوجانا ایک عادی اور طبعی امر ہے، اور جو شے لڑکے کے لیے جائز ہوسکتی ہے وہ نوجوان لڑکیوں کے لیے بھی جائز ہوسکتی ہے"۔ [الاسلام ومشكلات الحضارة الغربية، از: سید قطب شہیدؒ]

جنسی تعلیم کی آزادی نے اخلاقی قدروں کو ملیامیٹ کردیا ہے، خود ہندوستان میں اس کے بھیانک نتائج برآمد ہورہے ہیں۔

تہذیب جدید میں انسان کی تحقیر

خالقین تہذیب جدید کو انسان کی تکریم سے کوئی دلچسپی نہیں؛ کیونکہ اس قسم کا کوئی اقدام ان سے انسان کو وہ مقام دلاتا ہے جو اسے مذہب نے دیا ہے اور یورپ میں سب کچھ درست ہوسکتا ہے؛ مگر یہ درست نہیں ہوسکتا کہ مذہب کا کسی مقام پر تذکرہ آئے، یا انسان کی تمدنی حالت، یا اجتماعی اور معاشی نظام یا اس کے عملی تعلقات وروابط اور فنی طریقوں سے مذہب کا کوئی ربط ہو، بلکہ ان کو اس بات کا انتہائی شوق ہے کہ انسانیت کی تحقیر کریں، اسے گندگیوں میں ملوث کریں، اسے حیوان اور جنس کی نجاست میں لتھڑا ہوا بتائیں، اور اسے مادہ کے جبری قوانین اور معاشیات کی قوت قاہرہ کے سامنے مغلوب ظاہر کریں۔

مغربی سائنسداں الیکسس کارل کہتا ہے:

"وحشیانہ مادیت نہ صرف یہ کہ عقلی ارتقا کی راہ میں رکاوٹ ہے، بلکہ نرم خو، شریف، کمزور اور تنہا شخص کو کچل کر رکھ دیتی ہے، اور ایسے لوگوں کو ختم کردیتی ہے، جو ذوق جمال رکھتے ہیں اور جنہیں دولت کے علاوہ کچھ اور اشیاء کی بھی ضرورت ہوتی ہے"۔

"تہذیب جدید نے اپنے سفر کا آغاز بڑی خوش کن امیدوں کے ساتھ کیا تھا، مگر یہ تہذیب ایسے انسان پیدا کرنے سے قاصر ہوچکی ہے جن میں کسی قدر عقل وجرأت ہو اور اس تہذیب کی اس ڈوبتی نیا کو پار لگاسکیں، کیوں کہ انسان نے اس قدر تیز ترقی نہیں کی ہے جس قدر تیز تہذیب جدید کے ساختہ عقلی نظاموں نے کی ہے؛ چنانچہ دور جدید کی قومیں جس خطرے سے دوچار ہیں اور جس سے ان کے سیاسی قائدین فکر مند ہیں، وہ ان قوموں کا اخلاقی اور عقلی زوال ہے"۔

اس سے معلوم ہوا کہ تہذیب جدید انسان کے لیے نامناسب ہے، کیونکہ یہ انسان کی طبیعت سے ناواقف ہے، اور اس تہذیب میں انسانی خصوصیات کی کوئی رعایت اور انسان پر نازل ہونے والی مصیبتوں کا کوئی تدارک موجود نہیں ہے۔

موجودہ صورت حال

مادی اور مذہب بیزار تہذیب کے اثر سے آج اخلاقی زوال اور انسان کی ناقدری اور انسانیت کی تحقیر میں دنیا کی وہی حالت ہے جو اسلام کی آمد سے قبل انسانی معاشرہ کی تھی، طرح طرح کی مشکلات تھیں، ایک انسان دوسرے انسان کا دشمن اور اس کے خون کا پیاسا بنا ہوا تھا، کسی کا مال ومتاع اور عزت وآبرو محفوظ نہ تھی، طاقتور باہم دست وگریباں تھے، معصوم جانیں ظالموں اور باغیوں کی بھڑکائی ہوئی آگ کا ایندھن بن رہی تھیں۔

Civilization Past and Present کے مصنفین نے بازنطینی سوسائٹی کے اخلاقی فساد، تفریح طبع اور پر تعیش زندگی کے عشق پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:

"بازنطینیوں کی سماجی زندگی میں زبردست تضاد پایا جاتا تھا، ایک طرف مذہبی کٹرپن ان کے ذہنوں میں گہرے طور پر پیوست ہوچلا تھا جس کی وجہ سے ترک دنیا اور رہبانیت، سلطنت کے طول وعرض میں پھیلی ہوئی تھی اور معمولی درجہ کا شہری بھی مذہبی بحثوں میں گہری دلچسپی لیتا تھا، دوسری طرف لوگوں کی روزمرہ کی زندگی میں کھیل تماشوں سے غیر معمولی دلچسپی پائی جاتی تھی، کھیلوں کے ایسے میدان تھے جن میں ۸۰ ہزار تماشہ بینوں کے بیٹھنے کی جگہ تھی جہاں انسان انسان کے بیچ اور درندوں کے درمیان مقابلہ ہوتا تھا عوام کو "نیلے" اور "ہرے" دو گروہوں میں بانٹ دیا جاتا تھا، بازنطینیوں میں حسن پرستی بھی عام تھی اور ظلم وشقاوت کا غلبہ تھا، ان کے کھیل تماشے اکثر خونریز اور اذیت رساں ہوتے تھے، وہ سخت سزائیں دیتے تھے اور ان کے خواص کی زندگی عیش وطرب، سازش، تکلفات، اور برائیوں سے مرکب تھی"۔

ایرانی شہنشاہیت کی تصویر کشی جو مزدکیت کے عروج اور تسلط واقتدار کے زمانہ سے متعلق ہے اس طرح کی گئی ہے:

"ناموس ادب کا پردہ اٹھ گیا، ایسے لوگ پیدا ہوگئے جن میں نہ شرافت تھی نہ عمل، نہ ان کے پاس موروثی جاگیر تھی اور نہ انہیں خاندان اور قوم کا غم تھا، نہ ان میں صنعت تھی نہ حرفت، نہ انہیں کسی قسم کی فکر دامن گیر تھی اور نہ ان کا کوئی پیشہ تھا، چغلی اور شرارت میں مستعد اور دروغ بیانی اور تہمت میں مشاق تھے، یہی ان کا ذریعہ معاش تھا اور اسی کو وہ تحصیل مال وجاہ کا وسیلہ بناتے"۔ [بحوالہ نبی رحمت ص/۴۸]

دنیا کی موجودہ صورت حال کا اگر جائزہ لیا جائے تو یہی نتیجہ نکلے گا کہ تہذیب وتمدن کے وسائل اور عروج وارتقا کے اسباب کی فراہمی کے باوجود اس کی حالت زمانہ جاہلیت سے مختلف نہیں، اگر اس کی فکر نہ کی گئی تو انسانیت اسی عمیق خندق میں جا گرے گی جس سے اسلام نے اسے بچایا تھا، اور یہ معاشرہ ایک جنگلی معاشرہ کی شکل اختیار کر جائے گا، موجودہ صورت حال انسانیت کے مستقبل کے لیے خطرناک ہی نہیں؛ بلکہ خودکشی کے مرادف ہے۔

مغرب کی موت

یورپین معاشرہ اخلاقی اقدار وروایات، دینی اصول واحکامات کے نہ ہونے کی وجہ سے فساد و بگاڑ، اخلاقی انارکی وابتری کی انتہا کو پہونچ گیا ہے، اس کے نظام حیات کا شیرازہ پورے طور سے بکھر چکا ہے، وہاں کے اہل فکر ودانش جو انسانوں کا دل اور احساس رکھتے ہیں اس کا شدت کے ساتھ احساس کرنے لگے ہیں، بوکنان (Patrick-J Buchanan) نے اپنی کتاب "مغرب کی موت" (The Death of the west) میں یہ پیشین گوئی کی ہے کہ یورپ میں بہت جلد معاشرہ کا تصور ہی ختم ہوجائے گا، بوکنان کہتا ہے:

"یورپ میں تہذیب وتمدن کے ارتقا کی تمام راہیں مسدود ہوچکی ہیں، یہ کوئی قابل تعجب انکشاف نہیں، ہر ایک اس سے واقف ہے، اس لیے کہ یوروپ میں قتل وغارت گری، ظلم وزیادتی، عزت و آبرو کی پامالی، خودکشی کے واقعات اور مختلف قسم کے جرائم کا گراف دن بدن بڑھتا جارہا ہے، یہ صورت حال محض ان پسماندہ شہروں کی نہیں جہاں تہذیب و تمدن اور علم کی شعاعیں نہیں پہونچیں؛ بلکہ متمدن اور ترقی یافتہ شہروں کی مثلاً ماسکو، نیویارک، واشنگٹن، لندن، برلن، پیرس اور اٹلی اسپین ویونان کے اکثر متمدن شہروں کا کم وبیش یہی حال ہے، بعض شہروں میں چوروں اور ڈاکوؤں کے ڈر سے سورج ڈھلتے ہی گھر کے دروازے بند کرلیے جاتے ہیں، مسافروں اور راہگیروں کو ہمہ وقت اپنی جان و مال کا خطرہ دامن گیر رہتا ہے، ان متمدن ملکوں کی نقل کرنے کی وجہ سے مشرق کے کمزور وپسماندہ ممالک کی حالت اورزیادہ سنگین وقابل تشویش ہوتی جارہی ہے"۔

برطانوی فلسفی برٹرینڈ ارتھر ولیم رسل (Bertrand Arthur William Russell) نے لکھا ہے کہ سفید فام کی بالادستی کا زمانہ ختم ہورہا ہے، اس لیے کہ یہ اندر سے بالکل کھوکھلا ہوچکا ہے، علمی اور مادی ترقیات کے باوجود اس کے پاس نہ تو زندگی کا کوئی صحیح تصور اور عقیدہ موجود ہے اور نہ ہی روحانی واخلاقی قدریں"۔ [المستقبل لهذا الدين، از: سید قطب، ص/۵۶]

جرمنی کا اسوالڈ آرنلڈ اسپنگلر (Oswald Arnold Spengler) کہتا ہے کہ نوع انسانی فنا اور ہلاکت کے دہانے پر کھڑی ہے، اور اگر دنیا میں ایک نئی تہذیب برپا نہیں ہوئی تو مغربی تہذیب کے زوال اور فنا کے ساتھ انسانی تہذیب بھی ختم ہوجائے گی"۔ [تدهور الحضارة الغربية، از: شپنگلر، عربی ترجمہ: احمد شیبانی، ص: /۱۷]

الیکس کارل کہتا ہے کہ: "تہذیب جدید انسانیت کے نامناسب اور بڑے مشکل مرحلہ میں ہے، اس تہذیب کا ہماری حقیقی معرفت سے کوئی تعلق نہیں ہے، اس کی پیدائش میں کچھ علمی دریافتیں، لوگوں کی خواہشات واوہام اور بعض نظریات وافکار کا حصہ ہے باوجود یہ کہ یہ ہماری ہی کوششوں کا نتیجہ ہے؛ مگر یہ انسانیت کے حجم اور شکل پر بالکل منطبق نہیں ہوتی"۔ [المستقبل لهذا الدين، ص/۶۰]

مزید کہتا ہے:

"ہر شے کا پیمانہ خود انسان کو ہونا چاہیے، مگر صورت حال اس کے برعکس ہے، انسان بے چارہ خود اپنی پیدا کردہ دنیا میں اجنبی ہے، وہ اپنی دنیا کو از خود منظم نہیں کرسکتا؛ کیوں کہ اسے اپنی طبیعت کی عملی معرفت نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ علوم حیات کے بالمقابل علوم جمادات میں انسان کی بے اندازہ ترقی خود اس کے لیے مصیبت بن گئی ہے، اب جو ماحول خود ہماری عقل اور ایجادت کا پیدا کردہ ہے وہ ہمارے ڈھانچہ اور ہمارے مزاج کے لیے نامناسب ہے، ہم بڑے بدنصیب ہیں، کیوں کہ ہم عقلی اور اخلاقی دیوالیہ پن سے دوچار ہیں"۔

"جو قومیں آج صنعتی ترقی میں بام عروج کو پہنچ چکی ہیں، یہی کمزور ہوتی جارہی ہیں، اور یہی قومیں سب سے پہلے بربریت اور وحشت کی جانب لوٹیں گی، مگر اس کا کوئی تدارک نہیں ہوسکتا؛ کیوں کہ سائنس نے اس تہذیب کے گرد جس قسم کے بدترین حالات پیدا کردیے ہیں، ان سے بچانے والا کوئی نہیں، حقیقت یہ ہے کہ ہمارے تمدن نے بھی گزشتہ تمام تمدنوں کی طرح زندگی کے ایسے معین حالات پیدا کردیے ہیں جو بذات خود زندگی کے وجود کو محال بنادیتے ہیں اور اس حقیقت کے اسباب کا ابھی تک علم نہیں ہوسکا ہے، اور موجودہ دور کا انسان جن مصائب سے دوچار ہے وہ اس کے سیاسی، اقتصادی اور سماجی نظام کی پیداوار ہیں" [المستقبل لهذا الدين، ص/۶۱]

امریکا کے سابق وزیر خارجہ جان فاسٹر دلاس (Jhon Foster Dulles) نے اپنی کتاب "حرب أم سلام" میں "ہماری روحانی ضروریات" عنوان کے تحت لکھا ہے کہ: "ہم نے مادی ترقی خوب کرلی ہے، اب ہمیں مادی ساز وسامان کے لحاظ سے کوئی خطرہ نہیں ہے، لیکن ایک چیز ہمارے معاشرہ کو گھن کی طرح کھائے جارہی ہے اور وہ ہے روحانیت اور صحیح ایمان واعتقاد کا فقدان، یہ ایسا بحران ہے جس کا تدارک نہ تو سائنسداں ہی کرسکتے ہیں اور نہ ہی ماہرین اقتصادیات، پالیسی ساز اور قانون داں، یہ صورت حال بڑی قابل رحم ہے، ہم نے مذہب کو زندگی سے الگ کرکے بڑی غلطی کی ہے، اس لیے کہ مذہب کے بغیر فرد اور جماعت دونوں میں روحانیت پیدا نہیں ہوسکتی"۔ [المستقبل لهذا الدين، ص: /۶۵-۷۱]

کولن ولسن (Colin Wilson) کہتا ہے کہ: "تہذیب جدید میں تمام عقلی پیمانوں کا زوال ہوچکا ہے، اور موجودہ مذہب بیزار تہذیب نے انسان میں طرح طرح کے امراض پیدا کردیے ہیں، اس لیے کہ ہماری مادی تہذیب میں روحانی پہلو کو بالکل نظر انداز کردیا گیا ہے اور مادیت الحاد اور لادینیت کی طرف لے جاتی ہے، اور الحاد انسان کی فطرت اور کائنات میں اس کے کردار کا ناقص اور محدود تصور ہے، اس میں اخلاقی اور روحانی قدروں کا کوئی اعتبار نہیں، اس میں انسان کے شعور کو اس کی عقلی اختراعات وترقیات اور خالص مادیت میں قید کردیا جاتا ہے، جس کے نتیجہ میں وجدانی اور روحانی جذبہ کو کچلنا پڑتا ہے اور لادینی اس سے خلاصی کے لیے سرگرداں رہتا ہے، ہر تہذیب کا ایک انجام مقرر ہے اور وہ اس کو پہنچ کر رہتی ہے، اور میں پورے وثوق ویقین کیساتھ کہتا ہوں کہ مغربی تہذیب اب اپنے انجام کو پہنچ رہی ہے اور وہ ہے تباہی اور ہلاکت"۔ [تهافت العلمانية، ص/ ۱۲۸-۱۳۳]

کولن ولسن اپنی دوسری کتاب "سقوط الحضارة" میں لکھتا ہے کہ اس کتاب کا مقصد تألیف اس بات کو بیان کرنا ہے کہ زمانہ (مغربی دنیا) کو اب ایک نئے مذہب کی ضرورت ہے، اس لیے کہ کلیسا انسان کی مذہبی امور میں رہنمائی کی صلاحیت کھوچکا ہے، اور انسان بغیر مذہب کے نامکمل ہے"۔ [تهافت العلمانية، ص/ ۱۳۵-۱۳۸]

مشہور مؤرخ آرنلڈ ٹوائن بی (Arnold Toynbee) کہتا ہے کہ مغربی تہذیب کو مذہب ہی بچا سکتا ہے، اس لیے کہ مغربی تہذیب روحانی افلاس کا شکار ہے، جس نے انسان کے وجود کو مسخ کرکے رکھ دیا ہے، اسے حیوان بنادیا ہے، اور انسان اپنی انسانی خصوصیات ومقومات سے محروم ہوگیا ہے، وہ صرف مادی ڈھانچہ میں محصور ہے، جس کے نتیجہ میں مختلف امراض، مایوسی، ڈپریشن، بے چینی اور بے مقصدیت کا شکار ہے، انسانی معاشرہ جانوروں کے ریوڑ کی طرح ہوگیا ہے، جس کا کوئی مقصد نہیں ہوتا اور ادھر ادھر سرگرداں رہتا ہے"۔ [تهافت العلمانية، ص/ ۱۶۲-۱۷۱]

رومن رائٹر کانسوناٹ جیورجیو (Consonant Jevrejeva) اپنے ایک ناول "الساعة الخامسة و العشرون" میں لکھتا ہے کہ: ہم ایک چکر میں ہیں جو جلد ہی ہمارے جسم کو چاک کردے گا، ہماری ایک ایک ہڈی کو ریزہ ریزہ کردے گا، ہمیں اس کا پورا پورا احساس ہے، اب ہمیں دنیا میں کسی بھی جگہ پناہ نہ مل سکے گی، فضا مکدر ہوگئی ہے، ماحول متعفن ہوگیا ہے، دم گھٹنے لگا ہے، اور انسان کا جینا دوبھر ہوگیا ہے، بیوروکریسی، فوج، حکومت، قانون اور انتظامیہ سب ہی ماحول کو گندہ اور زہریلا کرنے پر تلے ہوئے ہیں، تاکہ انسان کا دم گھٹ جائے"۔

یہ رومن رائٹر تہذیب جدید کا وصف بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ: "تہذیب جدید میں انسان قتل وغارت گری کا خوگر اور خون کا پیاسا ہے؛ سرکش شیطان بن گیا ہے، اس کا چہرہ تو انسانی ہے لیکن وہ انسان نہیں، یہ ایک مشین ہے، ایک شیطان ہے، سب کے سب خون کے پیاسے ہیں، بھوت اور درندے بن گئے ہیں، یہ انسان نہیں ہیں، ایک بھی ایسا فرد نہیں جسے انسان کہا جاسکے، موجودہ تہذیب اس قید خانہ کی طرح ہے جس میں انسان زندگی اور موت کے درمیان رہتا ہے، چاروں طرف سے سیسہ پلائی گونگی دیواریں ہوتی ہیں، آسمان اور افق نظر نہیں آتا، یہاں انسان سرگرداں اور حیران ہے، اسے انجام معلوم نہیں، کچھ سمجھ میں نہیں آتا، زندگی کے آثار نظروں سے اوجھل ہوگئے ہیں، اس لیے کہ آسمان سے اس کا رشتہ منقطع ہوگیا ہے، اور تمام راستے مسدود ہوگئے ہیں، انسان کا درد وکرب سنو، سمجھو، اس کی تکلیف کو دیکھو، بے چارہ افلاس اور غربت میں ہے"۔ [تهافت العلمانية، ص/۱۹۴]

تہذیب جدید کی قیادت دو کیمپ کررہے ہیں، سرمایہ دارانہ نظام جس کا علمبردار مغربی یورپ اور امریکہ ہے، دوسرا کیمپ کمیونزم ہے جس کا علمبردار مشرقی یورپ اور روس ہے، دونوں ہی کیمپ تہذیب کی بنیاد "مادیت اور لادینیت" "خدا کا انکار" اور "دینی وروحانی قدروں کا خون" پر متفق ہیں، اور دونوں میں ظاہراً جو اختلاف ہے وہ صرف اقتصادی عمارت کے باہری نقشہ اور خارجہ پالیسی میں ہے اور دھیرے دھیرے یہ اختلاف بھی ختم ہورہا ہے، لہٰذا صرف مفادات کا اختلاف اور ٹکراؤ ہے، اور یہ اختلاف کوئی معنی نہیں رکھتا، تہذیب کے دائرہ اور اس کے بنیادی اصول میں دونوں ہی برابر ہیں۔

(جاری)

☆☆☆☆☆

خبر و نظر

عالم اسلام

جاوید اختر ندوی

ملک فرانس میں اسلامی سرگرمیاں اور مسلمان

گذشتہ کچھ برسوں سے جن ممالک نے اسلام اور مسلمانوں کی صاف وشفاف شبیہ کو حد درجہ داغدار کرنے کی کوشش کی اور اب تک کر ہی رہے ہیں، ان میں ملک فرانس کا نام نمایاں ہے، سب سے پہلے یہاں اسلامی تعلیمات اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو نشانہ بنایا گیا، دشمنان اسلام جس حد تک جا سکتے تھے، انہوں نے اپنی دناءت وخباثت اور بغض وعداوت میں کوئی کسر نہیں چھوڑ رکھی، اسلامی تعلیمات کا اخبارات ومجلات، انٹرنیٹ اور تمام ذرائع ابلاغ کا استعمال کر کے مذاق اڑایا گیا، اسلامی لباس، رہن سہن، بود وباش اور اخلاق و آداب پر دل کھول کر کیچڑ اچھالا گیا، اور پوری دنیا میں اس کی تشہیر کی گئی، اور ان کے اندر کا غبار اور دل کا میل دنیا کے منظرنامے پر کھل کر سامنے آیا۔

یہی نہیں بلکہ اسلامی تعلیمات وہدایات پر عمل کرنے والوں کے ساتھ بدسلوکی کی گئی، حجاب کے استعمال کو اسکول، کالجز اور عوامی مقامات پر ممنوع قرار دیا گیا، اور اس کے ارتکاب پر عدالت تک میں حاضر کرایا گیا اور جرمانے نافذ کیے گئے۔

اس کا الٹا نتیجہ یہ سامنے آیا کہ ان حرکتوں سے اگر چہ وقتی طور پر وہ بزعم خود اسلام اور مسلمانوں کو پریشان کرتے رہے، مگر اسلام اور پیغمبر اسلام کا نام فرانس کے بچے بچے کے کانوں تک پہونچ گیا اور ہر فرد کے اندر ایک تجسس کا مادہ پیدا ہو گیا کہ آخر اسلام کس دین کا نام ہے؟ اس کے پیغمبر کیا لے کر آئے؟ اس میں انسانیت کی کامیابی ہے یا ہلاکت؟ آج کے دور میں اس دعوت کی اہمیت وضرورت باقی رہی یا نہیں؟ قرآن مجید کیسی کتاب ہے؟ اس میں کس چیز کا حکم دیا گیا ہے؟ کیا مسلمان دہشت گرد ہوتے ہیں اور ان کا دین انہیں دہشت گردی کی تعلیم دیتا ہے؟ مسلمان کیسی زندگی گزارتے ہیں، اس میں اچھائی کیا ہے اور خرابی کیا؟ یہ اور اس طرح کے بہت سارے سوالات وہاں کے باشندوں کے ذہنوں میں گردش کرنے لگے، اس کے بعد ان میں کی ایک بڑی تعداد نے اسلام اور پیغمبر اسلام کی سیرت کا مطالعہ شروع کیا اور اس کے نتیجہ میں ان میں کی خاصی تعداد حلقہ بگوش اسلام ہو گئی اور وہ پورے جوش وخروش کے ساتھ اس پر عمل اور اس کی دعوت وتبلیغ میں لگ گئے، اور اس طرح کعبہ کو صنم خانہ سے پاسباں مل گئے۔

ان نومسلموں نے جب اندر سے اسلام کا مطالعہ کیا اور قرآن مجید کی تعلیمات سے روشناس ہوئے تو ان کے اندر ایسا یقین اور ایمان جاگزیں ہوا کہ سخت سے سخت حالات بھی ان کو اپنی جگہ سے نہیں ہلا سکے اور بعض کلمہ گویان اسلام جو پشتہا پشت سے مسلمان چلے آرہے ہیں، کے ایمان سے بھی وہ آگے نکل گئے اور ان سے کہیں زیادہ اسلام کی خدمت میں وہ جٹ گئے اور ان کی دینی ودعوتی خدمات بڑی ثمر آور ثابت ہوئیں۔

اندر کی یہ خبر جب مغربی میڈیا میں آئی تو اس کے اہل نظر وفکر سب بوکھلا کر رہ گئے کہ ساری تدبیریں الٹی ہو گئیں اور گئے تھے اسلام کا شکار کرنے اور خود اس کے شکار ہو گئے، ایک امریکی مجلہ کی رپورٹ ملاحظہ کریں۔

امریکی جریدہ "نیویارک ٹائمز" New York Times کی ایک خبر کے مطابق فرانس میں گزشتہ پچیس سالوں میں ان افراد کی تعداد دوگنی ہو چکی ہے جو اپنے آبائی دین کو ترک کر کے دائرۂ اسلام میں داخل ہو رہے ہیں، اس حوالے سے فرانس کی وزارت داخلہ میں دینی امور کے ذمہ دار کا کہنا ہے کہ اس وقت فرانس میں ۶ ملین مسلمان آباد ہیں جن میں سے ایک لاکھ سے زیادہ تعداد نومسلم افراد کی ہے، جن کی اکثریت عیسائی تھی، ۱۹۸۶ء کے مقابلے میں اب ان کی تعداد دوگنی ہو چکی ہے۔

مسلمانوں کی روز افزوں یہ تعداد فرانس کے لیے ایک چیلنج کی شکل اختیار کرتی جا رہی ہے چنانچہ ہر آنے والی حکومت بالواسطہ مقامی مسلمانوں پر مختلف قانونی پابندیاں عائد کر کے ان کا دائرہ تنگ کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔

مغربی میڈیا کے ذریعہ یہ خبر جب عام ہوئی تو وہاں کی حکومت نے مختلف بہانوں سے مسلمانوں کو تنگ کرنا شروع کیا، اور طرح طرح کی پابندیاں عائد کرنی شروع کر دیں۔

یوسف نامی ایک نومسلم کا کہنا ہے کہ ان پابندیوں سے ہمارے ایمان ویقین میں کوئی کمی نہیں آسکتی ہے، بلکہ ہم اپنے دین پر پہلے سے زیادہ مضبوطی کے ساتھ عمل پیرا ہیں، یہ ہمارا یقین ہے اور ہم نے گہرے مطالعے کے بعد اس دین کو قبول کیا، یہی دین برحق اور نجات بخش ہے۔

یوسف پہلے عیسائی تھے، اس تعلق سے ان کا کہنا ہے کہ موجودہ عیسائیت میں روحانیت کی کوئی ایسی بات نہیں ملتی کہ انسان اس کے ذریعہ اپنے قلب وضمیر کو سکون پہنچا سکے، آج اس مذہب پر مخصوص لوگوں کی اجارہ داری ہے اور انہوں نے ایسے عقائد ایجاد کر لیے ہیں جو انسانی فطرت سے بالکل میل نہیں کھاتے، اور عام انسانی ذہن بھی اس کو قبول نہیں کر سکتا۔

مصر میں اسلامی شعائر پر عمل کی اجازت

ابھی دو تین برس قبل جب عالم عربی میں بہار کا آغاز ہوا، تو یہ تیونس ہوتے ہوئے مصر تک پہونچا، جہاں حسنی مبارک برسوں سے اپنی حکومت قائم کیے ہوئے تھے، ہر انتخاب میں "بھاری اکثریت" سے منتخب ہوتے اور پورے ملک کے سیاہ وسفید پر ان کا فرمان جاری رہتا، حالات بعد میں کھل کر سامنے آئے کہ انتخاب کا کیا طریقہ ہوتا اور کس طرح صدر محترم شان وشوکت کے ساتھ صدر عالی قدر منتخب ہوتے، اس لیے کیا طریقے اور حربے اختیار کرتے تھے اور اپنے اعزاء، اقرباء اور حامیوں کو حکومت کے دروبست پر کس حکمت عملی کے ساتھ متعین کر رکھا تھا کہ ظاہر میں ہماری حکومت جانے بعد بھی عملاً ہمارے ہی افراد حکومت کرتے رہیں گے۔

یہی نہیں بلکہ اسلامی حکومت ہوتے ہوئے بھی اسلام کے بہت سارے شعائر پر قانوناً اور کچھ پر عملاً پابندیاں عائد کر دی گئیں، مسلمان کو مسلمان باقی رہنا دشوار ہو گیا، نماز، روزے، حج، زکوٰۃ اور دیگر ارکان واجبات اسلام پر عمل محال ہو گیا، ایسے لوگوں کو ملک کے لیے تباہ کن اور قوم کی ترقی کے لیے مضر قرار دیا گیا، حجاب، داڑھی، اسلامی لباس یہاں تک کہ اسلامی نصاب تک میں تبدیلی کر دی گئی اور غیروں کے اشارے پر قرآن مجید کے بعض حصوں کی تدریس اسلامی اداروں میں ممنوع قرار دیدی گئیں، اور لاشعوری وخفیہ طور پر لادینی اور سیکولر نظام نافذ کر دیا گیا۔

یہ صورت حال کوئی سال دو سال تک نہیں رہی بلکہ حسنی مبارک کے طویل دور سے پہلے بھی حکمراں ایسا ہی کرتے رہے، ظاہر ہے کہ خائن، ضمیر فروش اور مفاد پرست افراد تو ایسا کر سکتے ہیں اور اس کو دیکھ کر خاموش ہی نہیں بلکہ اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ بھی لے سکتے ہیں، مگر وہ صاحب ضمیر جن کے دل میں تھوڑا بھی ایمان اور یوم آخرت پر یقین کا عقیدہ ہو وہ اس کو برداشت نہیں کر سکتا، اگر وہ ہاتھ سے روکنے کی طاقت نہیں رکھتا تو زبان اور قلم کا استعمال کرے گا اور اس کی بھی استطاعت نہیں تو وہ دل سے ضرور برا سمجھے گا۔

اور مصر میں ایسا ہی ہوا، یہاں کے صاحب غیرت اور باحمیت افراد مبارک کے خلاف زبان کھولنے سے خائف رہے، لیکن جیسے ہی بہار کی ہوا مصر تک پہونچی، سب یک جٹ ہو کر مبارک کے خلاف سڑکوں پر آگئے اور ایک دینی ودعوتی تنظیم "الاخوان المسلمون" کی اہم شخصیت کو مصر کا صدر منتخب کر لیا۔

انتخاب کے بعد بھی اسلام دشمن لابی اپنی چال چلتی رہی اور آج تک چل رہی ہے مگر عوامی حمایت کے سامنے وہ مکمل ناکام رہی اور آج مصر میں اسلام کا ایک نیا منظرنامہ دیکھنے میں آرہا ہے، اسلامی تعلیمات پر عمل عوام تو کرتے ہی ہیں، صدر بھی پنجوقتہ نمازیں محلہ کی مسجد میں ادا کرتا ہے، حجاب کا استعمال عام ہے خود صدر محترم کی اہلیہ حجاب استعمال کرتی ہے۔

ابھی کچھ دنوں قبل خبر آئی تھی کہ مصری فوج سے باریش فوجیوں کی ملازمت ختم کر دی گئی ہے اور عدالت کا فیصلہ ہے کہ داڑھی کے ساتھ فوج میں نہیں رہ سکتے، ان فوجیوں نے اس فیصلہ کو عدالت عالیہ میں چیلنج کیا اور ان کی جیت ہوئی، اس کے بعد زندگی کے کسی بھی شعبہ میں ایک مسلمان اپنے مذہبی شعائر پر عمل کرتے ہوئے ملازمت کر سکتا ہے، اس کی پوری تفصیل اس طرح ہے۔

مصر کی عدالت عالیہ نے پولیس فورس میں شامل مسلمانوں کو داڑھی رکھنے کی آزادی کو ان کے بنیادی اسلامی حق کے طور پر جائز قرار دیا ہے۔

واضح رہے کہ ماضی میں مصر میں حکومتی مناصب پر فائز افراد خصوصاً پولیس اور فوج کے لیے داڑھی رکھنا خلاف قانون تصور کیا جاتا تھا، موجودہ حکومت کے برسر اقتدار آنے کے بعد یہ پہلا موقع ہے کہ عدالت نے داڑھی کو مسلمانوں کے بنیادی حق کے طور پر تسلیم کیا اور یہ بھی واضح کیا کہ اسلامی شریعت میں واضح طور پر داڑھی رکھنے کا حکم ملتا ہے، لہٰذا کسی مسلمان کو داڑھی نہ رکھنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

یاد رہے کہ پولیس فورس میں شامل ان مسلمانوں نے یہ مقدمہ دائر کیا تھا جن کو داڑھی رکھنے سے منع گیا تھا، اس مقدمہ میں انہوں نے یہ دلیل بھی دی تھی کہ موجودہ حکومت میں ملک کے صدر اور وزیر اعظم داڑھی رکھ سکتے ہیں تو ہم کیوں نہیں رکھ سکتے۔

سچ ہے کہ اگر آج مسلمانوں کو عزت مل سکتی ہے اور ان کا کھویا ہوا وقار واپس آسکتا ہے تو وہ صرف اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر اور سنت نبویؐ کو اپنا کر، اس کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہیں۔

☆☆☆☆☆

جہان مسلم

نئی اسلامی ریاست کا قیام!

خود مختار بنگسا مورو:

محمد ایوب منیر

جنوبی فلپائن کے مورو مسلمان برس ہا برس کی قربانیوں کے بعد وسیع تر خودمختاری کی منزل کے حصول میں سرخرو ہو چکے ہیں، حکومت فلپائن اور مورو اسلامک لبریشن فرنٹ کے درمیان گذشتہ ۱۶ برس سے جاری مذاکرات نتیجہ خیز ثابت ہوئے، وسط اکتوبر میں طے پانے والے معاہدے سے جزائر منڈاناؤ، سولو کے مسلمان نہ صرف خودمختاری حاصل کرلیں گے بلکہ ۲۰۱۵ء میں ایک آزاد مسلم ریاست بھی وجود میں آجائے گی جس پر رومن کیتھولک فلپائن کی حکومت کو کسی طرح کا اختیار حاصل نہ ہوگا، بنگسا مورو مسلمانوں کی زندگی میں یہ معاہدہ ایک اہم تاریخی دستاویز اور سنگ میل کے طور پر یاد رکھا جائے گا۔

اس معاہدے کو فریم ورک معاہدہ برائے حتمی 'قیام امن' کا نام دیا گیا ہے، اس وسیع تر خود مختاری کے حصول کے بعد مسلح جنگ جو منیلا حکومت کے خلاف چھاپہ مار کارروائیاں بند کردیں گے، اندازہ یہ ہے کہ آزادی کی منزل اور مسلم ریاست کے قیام کی جدوجہد میں ڈیڑھ لاکھ مورو مسلمان جام شہادت نوش کرچکے ہیں، بنگسا مورو وطن کا تنازعہ ایشیاء کے قدیم اور پیچیدہ تنازعات میں شمار کیا جاتا ہے، نئے عالمی نظام کے علم برداروں نے صرف اپنے موضوعات اس قدر اچھالے ہیں کہ مسلمانوں کے مسائل پس منظر ہی میں رہتے ہیں، تاہم اقوام متحدہ کے سکریٹری جنرل، حکومت امریکا و روس اور اسلامی ممالک نے اس معاہدے کا اس لیے خیر مقدم کیا ہے کہ اس سے نہ صرف ایشیا میں امن قائم ہوگا بلکہ فلپائن کی حکومت بھی اپنے عوام کے لیے دائمی امن وسکون کے قیام کو یقینی بناسکتی ہے، مورو اسلامک لبریشن فرنٹ کے ۱۲ ہزار مجاہدین سروں پر کفن باندھ کر میدان عمل میں ڈٹے رہے اور گذشتہ ۵۰ برس میں منڈاناؤ، سولو، سلاوان کے مسلمانوں نے جس قسم کے اقتصادی، معاشرتی، سیاسی اور مذہبی بائیکاٹ کا سامنا کیا ہے اور نسل در نسل جس قدر قربانیاں دی ہیں وہ ایک الگ تاریخ ہے جس کو مرتب کیا جانا چاہیے۔

۱۵/ اکتوبر ۲۰۱۲ء کو اس معاہدے پر دستخط ہو چکے ہیں، مورو اسلامک لبریشن فرنٹ (جو عرصۂ دراز سے آزاد اسلامی حکومت کے قیام کے لیے سیاسی ومسلح جدوجہد کررہی ہے) کے مصالحت کار مہاگر اقبال اور حکومت فلپائن کے مصالحت کار ماروک لیونن نے منیلا کے صدارتی محل میں اس تاریخی دستاویز پر دستخط کیے، فلپائن کے صدر بینگنیو اکینو سوم، ملیشیا کے وزیر اعظم نجیب رزاق اور مورو اسلامک لبریشن فرنٹ کے پرعزم مجاہد، قائد حاجی مراد دستخطوں کی تقریب میں موجود تھے، فرنٹ کے سربراہ حکومت فلپائن نے ملیشیا کی حکومت کا خصوصی شکریہ ادا کیا ہے جنھوں نے اس دیرپا مسلے کے حل کے لیے مصالحت کار نامزد کیے اور ۱۶ برس کی محنت آخر کار رنگ لے آئی۔

یہ وسیع تر حقوق اور وسیع تر خودمختاری کا معاہدہ ہے، او آئی سی کو میانمار (برما) میں روہنگیا مسلمانوں کی حالت کا معائنہ کرنے کے لیے دفتر کھولنے کی اجازت نہ مل سکی، تاہم اس کے سکریٹری جنرل نے بھی جنوبی فلپائن میں بنگسا مورو کی ریاست کے قیام کا خیر مقدم کیا، اس معاہدے کو روبہ عمل لانے کے لیے حکومت، فوج، پولیس، بنک، بلدیہ، ایکسچینج، اور دیگر اہم اداروں کی تشکیل کے لیے درجنوں کمیشن تشکیل دے دیے گئے ہیں جس میں دونوں جانب سے نامزد نمائندے شامل کردئے گئے ہیں، جس وقت دستخط کی تقریب منعقد ہورہی تھی اسی وقت ہزاروں مورو مسلمان اپنے قصبوں، شہروں اور دیہاتوں میں نعرۂ تکبیر بلند کررہے تھے، خواتین نے بڑے بڑے جلوسوں کی صورت میں اپنی مسرت اور استعمار سے نجات کے آغاز کا خیر مقدم کیا اور میڈیا میں اسے شہ سرخیوں کے ساتھ جگہ دی گئی، ماہرین کا کہنا ہے کہ کئی ایسے نکات ہیں جن پر فریقین میں اختلاف ہوسکتا ہے، تاہم مجموعی طور پر قابض فلپائن اور زیر تسلط مورو مسلمان کی حتمی آزادی کے لیے ٹھوس اقدامات تجویز کیے گئے ہیں۔

وسیع تر خودمختاری کی حامل ریاست کا نام بنگسا مورو، مورو مسلمانوں کا گھر ہوگا، ۱۳ صفحات پر مشتمل دستاویز میں واضح طور پر تحریر کیا گیا ہے کہ مورو مجاہدین بتدریج مسلم پولیس فورس میں مدغم ہوجائیں گے، ۱۵/ افراد پر مشتمل عبوری کمیشن تشکیل دیا جائے گا جو دستور تشکیل دے گا۔

مورو اسلامک لبریشن فرنٹ کے سربراہ حاجی مراد نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ زیر تسلط مورو مسلمانوں کی ان گنت قربانیاں رنگ لائی ہیں، مورو مسلمان اپنے وطن، اپنی شناخت، اپنے دستور اور اپنی روایات کے مطابق زندگی بسر کرسکیں گے، تمام مسلح، نیم مسلح دستے، تعمیر نو کی جدوجہد میں شریک ہوجائیں گے، اس نئی خودمختار ریاست میں پانچ صوبے شامل ہیں: باسلان، کوٹا باٹو، داؤد ڈیل سور، سلطان قدرت، تاوی، سولو، داوی، دیولوگ اور دیتان کے علاقے، ان پانچ صوبوں میں شامل ہیں۔ ۱۹۹۶ء میں حکومت فلپائن نے مورو لبریشن فرنٹ سے معاہدے کے بعد اس علاقہ کو خودمختار قرار دینے کا اعلان کیا تھا، بوجوہ اس پر عمل درآمد نہ ہوسکا، ۲۰۰۸ء میں ہونے والا ایک اور معاہدہ بھی مسلمانان بنگسا مورو کے لیے نتیجہ خیز نہ ہوسکا تھا۔

مورو لبریشن فرنٹ کا جو گذشتہ برسوں میں حکومت سے معاہدے کرتا رہا ہے، کہنا ہے کہ حکومت فلپائن پر شدید دباؤ برقرار رکھنے کی ضرورت ہے، ورنہ فلپائن کی حکومت کسی وقت بھی پینترا بدل سکتی ہے، ابھی خودمختار ریاست کا اعلان ہوا ہے اور مغربی طاقتوں نے وہاں القاعدہ ایجنٹوں کی موجودگی کا تذکرہ شروع کردیا ہے۔

مسلمان یہاں سینکڑوں برس سے آباد ہیں اور ۱۵۷۰ء میں اس علاقے پر پرتگیزیوں نے قبضہ کیا تھا، یہ علاقے قدرتی وسائل سے مالا مال ہیں اور ہمسایہ ممالک ایشیا کی طرح یہاں کے مسلمان بھی اسلامی روایات پر نسل در نسل عمل پیرا چلے آرہے ہیں، امید کی جاتی ہے کہ یہاں جلد ہی ایسی حکومت قائم ہوجائے گی، جو دین اسلام کے حقیقی نفاذ کا عزم رکھتی ہے، مورو اسلامک فرنٹ کے اولین چیئرمین استاذ سلامات ہاشم کے عالمی اسلامی تحریکات سے گہرے مراسم تھے۔

سونے، چاندی، تانبے، زرخیز زرعی زمین، چاول، کپاس، گنا، گوشت اور سینکڑوں میل پھیلی ہوئی سمندری پٹی کے ساتھ بے حد حساب مچھلی و سمندری خوراک کی دستیابی، اس سے ملک کی معیشت کو مستحکم کرنے اور آزادی کے ساتھ تعمیر وترقی کی راہ طے کرنے میں مددگار ثابت ہوگی۔

☆☆☆☆☆

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام کی جدید ودیدہ زیب طباعت

☆ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم (اردو، ہندی)

از حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

پیغمبر خدا نبی رحمت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ و سیرت مبارکہ جس کی ترتیب وتالیف میں قدیم وجدید معلومات وتحقیقات سے فائدہ اٹھانے کی امکانی کوشش کی گئی ہے، زمانہ بعثت کی تصویر، معاصر دنیا، جزیرۃ العرب اور حجاز کا اہم تمدنی، سیاسی وتاریخی منظر، واقعات وحالات، ہدایات وتعلیمات اور نتائج واثرات کی مستند روداد، جو ہر دور میں افراد واقوام اور نوع انسانی کی ہدایت ورہنمائی کی طاقت وصلاحیت سے معمور ہے۔

کمپوز شدہ جدید ایڈیشن

صفحات: ۴۸۰ قیمت: ۴۰۰

☆ ہندوستان میں اسلامی صحافت کی تاریخ اور ارتقا

از ڈاکٹر سلیم الرحمٰن خان ندوی

اپنے موضوع پر ایک دستاویزی کتاب۔ بہترین سرورق۔ خوبصورت طباعت

صفحات: ۴۵۶ قیمت: ۲۵۰

نوٹ: طلباء کے لیے خصوصی رعایت

ناشر: مجلس تحقیقات ونشریات اسلام

پوسٹ بکس ۱۱۹، ندوۃ العلماء کیمپس، ٹیگور مارگ، لکھنؤ

Ph No.: 0522-2741539 - Mob No.: 9889378176

Email.airpnadwa@gmail.com

سبق آموز

ہمارا ۵ سالہ بچہ قبولِ اسلام کا باعث بنا

طارق انیس

''ابو! مجھے آپ اسلام کہہ کر پکارا کریں''۔

''مگر بیٹا! اسلام تو ایک مذہب ہے، کسی آدمی کا نام تھوڑی ہے؟''

''نہیں ابو! مجھے یہ نام اچھا لگتا ہے، بس آپ مجھے اسلام کہا کریں''۔

''اچھا ایسا کرتے ہیں کہ تمہارا نام محمد اسلام رکھ دیتے ہیں، اس نام کے کئی لوگوں سے ملا ہوں''۔

''ہاں یہ ٹھیک ہے، محمد اسلام''۔

''یہ مکالمہ میرے اور ساڑھے چار سالہ بیٹے کے درمیان ہو رہا تھا، جب میں مکان سے باہر سبزی کے لیے کیاریاں بنا رہا تھا''۔

محمد نوئیل رضوان جن کا تعلق سری لنکا سے ہے، عالمِ خیال میں ماضی کی یادوں کو الفاظ کا روپ دے کر اسلام کی طرف اپنے سفر کا روداد بیان کر رہے تھے۔

ان کا سابق نام نوئیل بریٹن رانجے فرنانڈو تھا اور وہ رومن کیتھولک تھے، انہوں نے سری لنکا ایئر فورس سے اپنی پیشہ ورانہ زندگی کا آغاز کیا اور ۱۹۷۶ء میں ایک بدھ عورت سے شادی کر لی، ایئر فورس سے بطور سارجنٹ سینئر ریٹائر ہونے کے بعد شرقِ اوسط جانے کا منصوبہ بنایا تا کہ ایک اچھا سا گھر بنا سکیں، وہاں تو نہ جا سکے لیکن یکم اپریل ۱۹۸۸ء کو ان کی تقرری سنٹرل بینک میں بطور اسسٹنٹ سیکورٹی افسر کے ہو گئی، اسی سال ۱۷ر فروری کو دوسرا بیٹا پیدا ہوا اور ان کے عیسائی ہونے کے بناء پر اسے اصطباغ بھی دیا گیا، انہوں نے ۲۰ر فروری ۱۹۹۳ء کو اسلام قبول کیا اور اس سے ٹھیک ایک ماہ قبل ان کی بیوی اور چھوٹا بچہ مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے، ان کے قبولِ اسلام کی داستان بہت دلچسپ ہے جسے بیان کرتے ہوئے انہوں نے بتایا:

ایک دن میں گھر آیا تو دیکھا کہ میرا ساڑھے چار سالہ بیٹا کھیلتے کھیلتے ایک دم رک کر مسلمانوں کی طرح عبادت کرنے لگا، میں حیران ہوا مگر اس بات کو بھول گیا، کچھ عرصہ بعد اسے دوبارہ گھر میں ایک کمرے کے اندر میں نے مسلمانوں کی طرح نماز پڑھتے دیکھا تو بیوی کو آواز دے کر بلایا، میری طرح اسے بھی حیرت ہوئی، ان دنوں ہم دونوں اپنے اپنے مذہب پر قائم تھے، میں بیوی کو عیسائی بننے پر قائل کر رہا تھا مگر وہ بدھ رہنے پر ہی مصر تھی، ہمارا مسلمان ہونے کا تو دور دور تک خیال نہ تھا اور نہ ہمارے قرب و جوار میں کوئی مسلمان رہتا تھا، گھر میں سینٹ انتھونی اور بدھ کے مجسمے موجود تھے، اول الذکر کی میں اور دوسرے کی بیوی پوجا کرتی تھی، پھر ایک دن اس بچے نے ٹوپی کی فرمائش کی جو میں ایک مسلمان دوست سے مانگ لایا اور اس کو دی۔

اس دوران ہم اتنی رقم پس انداز کر چکے تھے کہ نیا گھر بنا سکیں، ایک جگہ جو تھمبر یکسی کٹوا کہلاتی تھی، وہاں گھر بنا لیا، اس جگہ اکثریت عیسائی آبادی کی تھی، میں نے بھی عیسائیت سے دلی وابستگی کی بناء پر نیا گھر چرچ کے قریب بنایا مگر اصرار کے باوجود میرا لڑکا کبھی میرے ساتھ چرچ نہ گیا اور نہ ماں کے ساتھ بدھ عبادت گاہ گیا جہاں وہ ہر چودھویں رات کو جایا کرتی تھی اور بیٹے کو بھی ساتھ لے جانے کی خواہش مند تھی، میں نے ایک دن اس سے پوچھا کہ تم میرے ساتھ چرچ جاتے ہو نہ ماں کے ساتھ بدھ عبادت گاہ میں، آخر وجہ کیا ہے؟ تو کہنے لگا:

''ابو! وہاں بہت سارے بت ہوتے ہیں جبکہ مجھے وہ عبادت گاہ پسند ہے جہاں بت نہ ہوں، جب ہم قصبے میں جاتے اور اسے وہاں کوئی نقاب والی عورت دکھائی دیتی تو ہمارا بچہ بہت خوش ہوتا اور اس خاتون سے بات کرنے کی کوشش کرتا، تین چار ماہ بعد جب اس نے کہا کہ میرا نام بدل دو تو ہمیں پھر حیرت نے آ لیا اور ہم نے اسے کہا: تم تو ''لبے'' (مولوی) بنتے جا رہے ہو تو بولا:

میں آپ کو ایک اچھا نام بتاؤں گا، میرا وہ نام رکھ دیں۔

پھر اچانک ایک جب کہ میں گھر سے ملحقہ باغیچے میں جہاں سبزیاں لگی ہوئی تھیں، کام کر رہا تھا تو اس نے کہا:

ابو مجھے آپ اسلام کہہ کر پکارا کریں۔

تو ہم نے دل رکھنے کے لیے اسے ''محمد اسلام'' کہہ کر پکارنا شروع کر دیا۔

پانچ چھ ماہ گزرے تھے کہ ہمیں سخت آزمائش کا سامنا کرنا پڑا، میں بیمار ہوا اور ہفتہ بھر ڈیوٹی پر نہ جا سکا اور نہ محکمے کو اطلاع دے سکا، ہفتے کے بعد مجھے بغیر اطلاع غیر حاضر رہنے کی پاداش میں نوکری سے برخاست کر دیا گیا، یہ افتاد پڑی تو میں پریشانی اور مایوسی کی حالت میں زیادہ ہی گمراہ ہو گیا اور روزانہ ایک بوتل شراب پینے لگا، اس سے میرے دوست اور ملنے جلنے والے مجھے ناپسند کرنے لگے، ایک دن بیوی نے بتایا کہ اس نے خواب میں دیکھا ہے کہ وہ ایک کتاب پڑھ رہی ہے اور مسلمان عورتوں جیسا لباس پہنے دو خواتین کہہ رہی ہیں:

''یہ پڑھو گی تو سب ٹھیک ہو جائے گا اور پریشانیاں ختم ہو جائیں گی''۔

میں نے اس کا مذاق اڑایا اور نشے میں اول فول بکنے لگا، اس واقعہ کے دو دن بعد میں نے شام کے وقت دیکھا کہ بچے کے ساتھ میری بیوی بھی مسلمانوں کی طرح منہ ہاتھ دھونے کے بعد نماز پڑھ رہی ہے، میں نے سوچا: ''یک نہ شد دو شد'' وہ پنج گانہ نماز سے واقف نہ تھے، نہ رکوع و سجدے کا انہیں شعور تھا، دراصل سری لنکا ٹی وی کی نشریات کے آغاز میں وہاں بسنے والے سارے فرقوں کو عبادت کرتے ہوئے چند لمحوں کے لیے دکھایا جاتا تھا، مسلمان اپنی نماز میں جو حرکات کرتے تھے اس کی نقل میں یہ دونوں اٹھک بیٹھک کر رہے تھے، میری بیوی نے مجھے کہا:

''نوئیل تم بھی اللہ کی عبادت کرو''۔

پھر اس نے دونوں بت الماری میں رکھ دیے، اگرچہ عبادت کا صحیح مفہوم اسے نہ تھا مگر ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہوئے سسکیاں لینے لگی، اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے جن سے میں متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا اور ان دونوں ماں بیٹے کے ساتھ بیٹھ گیا اور چلا چلا کر اپنے مسائل بیان کرنے لگا، اس سے مجھے خاصا سکون ملا اور دل کا بوجھ ہلکا ہو گیا، دو ہفتے بعد مجھے ایک خط ملا جس میں مجھے نوکری پر بحال کیے جانے کی اطلاع تھی اور مجھے دوبارہ ڈیوٹی پر حاضر ہونے کو کہا گیا تھا اور کوئی پوچھ گچھ بھی نہیں کی گئی تھی، میں معمول کے مطابق دفتر جانے لگا اور پھر دوبارہ عبادت نہیں کی مگر وہ دونوں اپنے انداز میں نماز پڑھتے رہے۔

تھوڑے عرصے بعد میرا بچہ بیمار پڑا تو ہم اسے اسپتال لے گئے جو ۳۵ کلو میٹر دور واقع تھا، ہسپتال میں میری بیوی کی ملاقات ایک مقامی مسلمان عورت سے ہوئی، میری بیوی نے اسے بچے اور اپنے حالات سے آگاہ کیا، اس عورت نے ساری کہانی اپنے لڑکے کو سنائی اور اس نے دوستوں کو بتایا، چنانچہ دس بارہ آدمی میرے بیٹے کو دیکھنے ہسپتال آئے، اس مسلمان لڑکے نے اپنا پتہ دیا کہ بچہ ٹھیک ہو جائے تو مجھے ملنا، میں تو نہ جا سکا، البتہ وہ خود ہی دو ہفتے بعد آ گیا اور ہمیں دوبارہ آنے کی دعوت دی، چنانچہ جنوری ۱۹۹۳ء کے پہلے ہفتے میں ہم اس کے پاس گئے، وہ کسی مسلم ملک کے سفارت خانے میں کام کرتا تھا، اس نے ہمیں پہلی دفعہ صحیح طور پر اسلام سے آگاہ کیا اور رخصت ہوتے وقت ایک کتاب What meaning of Islam دی، اس روز بیوی نے مجھ سے مسلمان ہو جانے کی خواہش ظاہر کی، تو میں نے کہا: ''ٹھیک ہے تم چاہتی ہو تو مسلمان ہو جاؤ لیکن مجھے مجبور نہ کرو''۔

۲۰ر جنوری ۱۹۹۳ء کو ہم دوبارہ اس مسلمان دوست کے ہاں گئے اور پھر روتنی روڈ کولمبو میں واقع سنٹر فار اسلامک اسٹڈیز گئے جس کے ڈائریکٹر ڈاکٹر سہیل صاحب ہیں، یہاں دونوں ماں بیٹے نے باقاعدہ کلمہ شہادت پڑھا اور اسلام قبول کر لیا، اس موقع پر انہیں ادارے کی طرف سے لٹریچر بھی دیا گیا۔

اسلام قبول کرنے سے کچھ روز قبل کا واقعہ ہے کہ ہم دونوں میاں بیوی بچے کو سینٹ پیٹر کالج میں داخل کرانے کا منصوبہ بنا رہے تھے جو علاقے کا بہترین تعلیمی ادارہ ہے، وہ کہنے لگا:

''امی آپ انتظار کریں، اللہ تعالیٰ خود ایک اچھا اسکول میرے لیے بنائے گا، پھر وہ کہنے لگا کہ مجھے بستہ، نئے کپڑے اور کھلونے چاہئیں''۔

چونکہ میں ساری رقم شراب نوشی اور واہیات خرافات میں اڑا چکا تھا اور ابھی نیا نیا بحال ہوا تھا اور زیادہ رقم پس انداز نہیں ہو سکی تھی، اس لیے ماں نے اسے کہا کہ بیٹا! اللہ ہی سے مانگو، وہی ان چیزوں کا بندوبست کرے گا، تو اس نے جھٹ ہاتھ اٹھا کر اپنی ضرورتیں بیان کرنا شروع کر دیں، قبولِ اسلام کے بعد مسلمانوں کے بہترین ادارے ''اعمال انٹرنیشنل اسکول'' کی طرف سے (جو کہ وہاں کا مشہور تعلیمی ادارہ ہے اور اس کی سالانہ فیس ۲۵ ہزار روپے کی قریب ہے، تو ظاہر ہے کہ ہماری استطاعت سے زیادہ تھی) میرے بیٹے محمد اسلام کو مفت تعلیم کی پیش کش کی گئی اور یوں اللہ تعالیٰ نے خود اس کے لیے اچھے اسکول کو انتخاب کر دیا، محمد اسلام کی پیدائش ۱۷ر فروری

ہے۔اس کی ماں نے کہا کہ کیوں نہ اس کی سالگرہ پر اس کا ختنہ بھی کرادیا جائے، میں نے اجازت دے دی، تو ہم ڈیلمن مسلم ہسپتال گئے ،اس ہسپتال کی چھٹی منزل پر ایک مسجد بھی واقع ہے،اس مسجد کے امام صاحب کو محمد اسلام کے سارے حالات کا پتہ چلا تو وہ اسے دیکھنے آئے اور مجھ سے تصدیق چاہی۔

میرے بتانے پر انہوں نے اور لوگوں کو اس کے متعلق بتایا اور یہ بھی کہا کہ وہ بچہ ہسپتال میں داخل ہے اور اس کی سالگرہ بھی ہے اور ختنہ بھی ہوا ہے تو اس دن ڈھائی تین سو آدمی تحفے لے کر اسے دیکھنے آئے ، ہمیں تین دن تک ہسپتال رکنا پڑا اور اس دوران میں ہمیں ڈھیروں کھلونے ،اسکول بیگ، کتابیں، کپڑے، جوتے اور تین جانمازیں تحفے میں مل گئیں جو نہ صرف اس کی وقتی ضروریات بلکہ کئی سال بعد تک کے لیے کافی تھیں۔

۱۸؍فروری کی شب کو میں اپنی رات کی ڈیوٹی پر گیا اور وہاں وہ کتاب پڑھی جس میں اسلام کا تعارف کرایا گیا تھا،اب تک پیش آنے والے حالات سے پہلے ہی متاثر ہو چکا تھا،اس رات یہ کتاب پڑھنے کے بعد میں نے فیصلہ کرلیا کہ میں بھی مسلمان ہو جاؤں گا ،میری بیوی اور بچہ ابھی ہسپتال میں تھے ، میں نے وہیں انہیں فون پر بتایا کہ میں بھی مسلمان ہو رہا ہوں تو ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی ،۲۰؍فروری کو الحمدللہ میں بھی مسلمان ہوگیا اور تمام لغویاتیں مجھ سے خود بخود چھوٹ گئیں ،بطور فخر نہیں بطور شکر بتا رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک نعمت سے نوازا ہے کہ نماز تہجد مجھ سے کبھی نہیں چھوٹی ،اور اللہ سے جو بھی مانگا اس نے دیا،اب حالات اللہ کے فضل سے ٹھیک ہو گئے ہیں، دین کو دوسروں تک پہنچانے کی ذمہ داری سے بھی میں غافل نہیں ہوں اور اس سلسلے میں حتی الامکان کوشش میں مصروف رہتا ہوں ، بچے کو اسکول میں داخل کرائے تقریباً تین سال ہو چکے ہیں، اس دوران میں اس کی کارکردگی مثالی رہی ہے، پچھلے سال دینی تقریبات پر عربی پڑھنے لکھنے میں اور قرأت وتلاوت اور اذان وغیرہ میں کئی انعامات حاصل کیے ہیں۔

الحمدللہ دل کا اطمینان حاصل ہے،کوئی قسم کی پریشانی ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے حل کے لیے کسی نہ کسی طریقے سے مدد فرمادیتا ہے ، میں سب مسلمان بھائیوں سے عرض کروں گا کہ ہمارے ہر مسئلے اور ہر پریشانی کا حل دین میں ہے ، اگر ہم سچے دل سے دین پر عمل شروع کردیں تو کوئی مشکل ،مشکل نہ رہے گی۔ان شاء اللہ

☆☆☆☆☆

اعلان غائب غیر مفقود الخبر

مقدمہ نمبر ۳۹/۳۴/۷

مدعیہ: رحمت النساء بنت نور محمد مرحوم، مکان نمبر: ۲۹/۴۴/۴، رادھا گرام، ٹھاکر گنج، لکھنؤ

بنام

مدعا علیہ: وکیل احمد ولد عبدالمجید مرحوم، ساکن پھول وریا، مچھریٹا، تحصیل مصرکھ، ضلع سیتاپور، یوپی

ساکن حال: ۲۹۹/۴۳۱ ہری مسجد کے پیچھے، گلاب نگر، عنبر گنج چوک لکھنؤ

اطلاع بنام مدعا علیہ

مدعیہ رحمت النساء بنت نور محمد مرحوم نے آپ کے خلاف یہاں دارالقضاء میں نان ونفقہ نہ دینے، حقوق زوجیت ادا نہ کرنے نیز عرصہ دراز سے غائب ولا پتہ رہنے کی بناء پر فسخ نکاح کا دعویٰ دائر کیا ہے،اس اعلان کے ذریعہ آپ کو مطلع کیا جاتا ہے کہ آپ جہاں کہیں بھی ہوں مورخہ ۱۵/ مارچ ۲۰۱۳ء بروز پیر تک دفتر مرکزی دارالقضاء اتر پردیش، ندوۃ العلماء لکھنؤ میں خود حاضر ہو کر یا اپنی جانب سے کسی کو وکیل مقرر کر کے مقدمہ ہذا کی پیروی کریں، تاریخ مذکور پر پیروی نہ پائے جانے کی صورت میں مقدمہ ہذا یکطرفہ طور پر آپ کے خلاف فیصل کردیا جائے گا۔ فقط

نیاز احمد ندوی
رکن قاضی کونسل
مرکزی دارالقضاء اتر پردیش، ندوۃ العلماء لکھنؤ

ممبئی کے قارئین "تعمیر حیات" سے گزارش ہے کہ "تعمیر حیات" کے سلسلہ میں رقم جمع کرنے یا خریدار بننے کے سلسلہ میں ذیل کے پتہ پر رابطہ قائم کریں، وہاں ان کو رقم جمع کرنے کی رسید مل جائے گی۔

ALAUDDIN TEA
44, Haji Building S.V. Patel Road
Null Bazar, Mumbai-400003
Tele Add Cupkettle
Ph: 23460220-23468708

پروپرائٹر: ولی اللہ
ولی اللہ جویلرس
WALIULLAH
Jewellers
ALL KINDS OF GOLD, SILVER & DIAMOND JEWELLERY
Mob. 9415090544, 9936672278
Phone : 0522-2627446 (S)
e-mail : waliullahjewellers@gmail.com
Jutey Wali Gali, Aminabad, Lucknow

MAQBOOL JEWELLERS
مقبول جویلرس
جوتے والی گلی امین آباد
Jutey Wali Gali, Aminabad Lucknow
Mob.: 9956069081-9919089014
Shop No. S-13 Gole Market, Mahanagar Lucknow
Ph: 0522-4000130 (S) - 4001130

ممبئی کے قارئین کی خدمت میں
ممبئی کے قارئین "تعمیر حیات" سے گزارش ہے کہ "تعمیر حیات" کے سلسلہ میں رقم جمع کرنے یا خریدار بننے کے سلسلہ میں ذیل کے پتہ پر رابطہ قائم کریں، وہاں ان کو رقم جمع کرنے کی رسید مل جائے گی۔
فردوس کیفے
CAFE FIRDOS
Partly Air Condition
MOGHALAI & CHINESE FOOD
Tel.: 23424781 - 23459921
145, Sarang Street, Crawford Market, Mumbai-400003

ریڈی میڈ مردانہ ملبوسات کا قابل اعتماد مرکز
اعلیٰ کوالٹی، جدید ترین فیشن کے ساتھ
Shirt, Trousers, Coats, Embroidered Sherwanis, Pullowers, Jackets, Kurta-Suits, Night Suits, Gown & Ties
شادی بیاہ، تیوہار اور تقریبات کے لئے شاندار ذخیرہ تشریف لائیں قابل بھروسہ برانڈ
menmark®
Men's Exclusive
MFG, Wholesale, Export & Retail
58, Halwasia Market, Hazratganj, Lucknow-226001

Mohd. Zubair
Mohd. Salman
0522-2618629
09415028247
09919091462
Sahara FOOTWEAR
wholesale
35, Amethi House, Near Post Office, Aminabad, Lucknow-18

Postal Regd. No. LW/NP/63/2012TO2014
R. N. I. No. UP. Urd/2001/6071
Despatch Date, 10-12 / 25-27
Vol. No. 50 Issue No.09

Fortnightly
TAMEER-E-HAYAT
Tagore Marg, Badshah Bagh, Lucknow-07

Ph. Off. : 0522-2740406
Fax : 0522-2741221
E-mail : nadwa@sancharnet.in
10 March, 2013

Booking Open

SAITECH GRACE
An Ideal House You Truly Deserve

2 BHK / 3 BHK & 4BHK
Premium Flats Available at Affordable Prices

FACILITIES /AMENITIES

24X7 security system, Intercom / EPABX system from Entrance Gate, Power Backup through Generator, Internet connectivity, Pressurized water supply system, High quality single lever bathroom fittings, Open and covered car parking, Children play ground, Jogging / walking track, Gymnasium provision, Automatic high speed lifts, Fire Fighting System, Ample open and covered (stilt and basement) car parking space, Visitor's Parking.

BUILDERS & DEVELOPERS
SAITECH INFRASTRUCTURE PVT. LTD.
MAS COLONISERS (INDIA) PVT. LTD.

Corporate Office
06-F.F., Natraj Complex, 11 B.N. Road, Lalbagh, Lucknow - 226001
Tele Fax : +91-522-4077160
Mob.: 9838456123, 9450200000, 9450931440, 9415022240
Website : www.saitechbuilders.com
E-mail : saitechinfra@gmail.com
Site Office 485/8, Mohan Meakin Road,Daliganj, Lucknow.

لکھنؤ کے قدیم مشہور و معروف صندل سے تیار کردہ

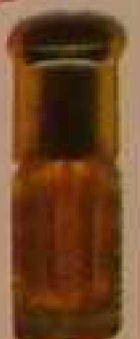

خوشبودار عطریات

روغنیات، عرقیات، کولر پرفیوم، کار پرفیوم، روم فریشنر، فلور پرفیوم، روح گلاب،
روح کیوڑہ، عرق گلاب، عرق کیوڑہ، اگربتی، ہربل پروڈکٹ

______ کی ایک قابل اعتماد دوکان: ______
ایک مرتبہ تشریف لاکر خدمت کا موقع دیں
تیار کردہ

IZHARSON PERFUMERS اظھارسن پرفیومرس

H.O. : Akbari Gate, Chowk, Lucknow.
Tel : 0522-2255257 Mobile : +91-9415009102
Branch : C-5 Janpath Market, Hazratganj
Lucknow 226001 U.P. INDIA Cell:91-9415784932
E-mail : izharsonperfumers@yahoo.com

اکبری گیٹ، چوک لکھنؤ
برانچ: C-5، جنپتھ مارکٹ، حضرت گنج

Designed By : Future Graphix, Lko. Mobile : 7860632916

Editor *Shamsul Haq Nadwi*, Printed & Published by *Athar Husain*
On behalf Majlis-e-Sahafat-wa-Nashriyat at Azad Printing Press Mahboob Building Nazirabad, Lko. Ph: 9415100085